اداریہ

پیغام سیرت

آپ ﷺ کے مقاصد بعثت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد

ہدایت ورہ نمائی

اللہ تعالیٰ نے ہر شے کی پیدائش کے ساتھ ہی اس کی ہدایت ورہ نمائی کا انتظام بھی فرمادیا ہے۔ جب زمین تشنہ ہوتی ہے اور اللہ کی مخلوق خشک سالی اور موسم کی شدت سے بے قرار ہو جاتی ہے تو اللہ کی رحمت سے آسمان پر بادل آ جاتے ہیں، جن کو دیکھ کر بے قرار اور پریشان لوگ خوشی وانبساط کا اظہار کرتے ہیں اور ان کی بے قراری امید میں بدل جاتی ہے۔ پھر باران رحمت ہوتی ہے اور اس کے ذریعے زمین پر ہریالی اور سبزہ پھیل جاتا ہے جو ہر جان دار کے لئے غذا کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اسی کے بارے میں ارشاد ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ كَیْفَ یَشَآءُ وَیَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ج فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ O وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِیْنَ O فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَیْفَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ط اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْیِ الْمَوْتٰى ج وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ O (۱)

''اللہ وہی ہے جو ہوائیں چلاتا ہے، پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں، پھر وہ اس کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلاتا ہے اور اس کو تہ بہ تہ کرتا ہے، پھر تو بارش کو دیکھتا ہے کہ وہ اس

۱۔ الروم ۴۸۔۵۰

(بادل) کے اندر سے نکلتی ہے۔ پھر جب وہ اس (بارش) کو اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے پہنچاتا ہے۔ تو وہ خوش ہونے لگتے ہیں، حال آں کہ ان پر برسنے سے پہلے وہ ناامید تھے۔ پھر تو اللہ کی رحمت کے آثار تو دیکھ کہ خشک ہونے کے بعد کس طرح وہ زمین کو سرسبز کرتا ہے۔ بے شک وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ ہی ایسی ہوائیں بھیجتا ہے جو بادلوں کو اٹھاتی ہیں۔ یہ ہوائیں بادلوں کو سمندروں پر سے یا جہاں سے اللہ کا حکم ہوتا ہے وہاں سے اٹھاتی ہیں۔ پھر وہ ان بادلوں کو آسمان پر پھیلا دیتا ہے اور ان کو بڑھا دیتا ہے۔ پھر وہ ان کو ٹکڑے ٹکڑے اور تہ بہ تہ کر دیتا ہے اور وہ پانی سے سیاہ ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ بادل زمین سے قریب ہو جاتے ہیں اور ان کے درمیان سے بارش برسنے لگتی ہے۔ پھر وہ اپنے بندوں میں سے جن کی بستی پر چاہتا ہے بارش برسا دیتا ہے اور وہ لوگ خوش ہو جاتے ہیں۔ حال آں کہ یہی لوگ اس سے پہلے بارش سے ناامید ہو چکے تھے۔ سو تم دیکھ لو کہ بارش کے ذریعے اللہ کس طرح مردہ زمین زندہ کر دیتا ہے۔ بے شک وہی ایک دن مردوں کو بھی زندہ کر کے قبروں سے نکالنے والا ہے، جب کہ ان کے جسم گل سڑ کر مٹی ہو چکے ہوں گے، کیوں کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَهُوَ الَّذِىْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِىْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ۝ (۲)

اور وہی تو اپنی رحمت (بارش) سے پہلے خوش خبری لانے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادلوں کو اٹھا لاتی ہیں تو ہم اس ابر کو کسی مُردہ شہر (خشک زمین) کی طرف ہانک دیتے ہیں۔ پھر ہم اس سے پانی برساتے ہیں۔ پھر ہم اس سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں۔ اسی طرح ہم مُردوں کو نکالیں گے تاکہ تم سمجھو۔ اور جو زمین پاکیزہ ہوتی ہے وہ اپنے رب کے حکم سے سبزہ اگاتی ہے اور جو خراب ہوتی ہے تو اس سے حقیر چیز کے سوا کچھ نہیں اگتا۔ شکر گزاروں کے لئے ہم اسی طرح مختلف پیرایوں سے دلائل بیان کرتے ہیں۔

جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے مردہ اور بنجر زمین کو زندہ اور سرسبز کرنے پر قادر ہے اسی طرح وہ قیامت کے روز مردہ انسانوں کو بھی زمین سے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔ اس کی قدرت کے

۲۔ الاعراف ۵۷، ۵۸

اعتبار سے مردہ انسان اور مردہ زمین کا زندہ کرنا یک ساں ہے۔

یہاں عمدہ اور پاکیزہ زمین سے مراد مومن کا دل ہے اور ناکارہ اور خراب زمین سے مراد کافر کا دل ہے، اور قرآن کریم باران رحمت اور آب حیات کی مانند ہے۔ جس طرح ابر رحمت ہر جگہ یک ساں برستا ہے مگر ہر زمین اپنی استعداد و صلاحیت کے موافق اثر قبول کر کے نباتات و سبزہ اگاتی ہے، اسی طرح قرآن مجید اور نبوت کا ابر رحمت بھی برابر فیض رساں ہے مگر ہر زمین قلب اپنی استعداد و صلاحیت کے موافق باران ہدایت کا اثر قبول کرتی ہے۔ لہٰذا جو لوگ ازلی گم راہ ہیں، جن میں ہدایت کا مادہ ہی نہیں، وہ اس سے فیض یاب نہیں ہو سکتے۔ ان کے دل کی زمین میں تو کفر و الحاد کے کانٹے اور جھاڑ جھنکاڑ ہی پیدا ہوں گے۔ ان کے برعکس مومنوں کے قلوب کی زمین میں طرح طرح کے ثمرات و برکات پیدا ہوتے ہیں، کیوں کہ ان کے قلوب اپنی استعداد و صلاحیت کے مطابق باران ہدایت کا اثر قبول کرتے ہیں۔

اور ارشاد ہے:

وَمِنۡ اٰيٰتِهٖ يُرِيۡكُمُ الۡبَرۡقَ خَوۡفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحۡىٖ بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ۝ (۳)

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ خوف اور امید دلانے کے لئے تمہیں بجلی دکھاتا ہے اور آسمان سے پانی برساتا ہے، پھر اس سے مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے۔ بے شک اس میں بھی عقل مندوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

اس کے حکم سے آسمانوں پر بجلی کا کوندنا بھی اس کی نشانیوں سے ہے، جس کو دیکھ کر تم خوف زدہ ہو جاتے ہو کہ کہیں یہ بجلی ہمارے اوپر گر کر ہمیں ہلاک نہ کر دے، اور کبھی تم اس کو دیکھ کر پر امید بھی ہوتے ہو کہ اب بارش برسے گی، خشک سالی دور ہو جائے گی، پانی اور غلے کی فراوانی ہو گی۔ وہی آسمان سے پانی برسا کر اس کے ذریعے مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے، یعنی خشک اور ویران پڑی ہوئی زمین بارش سے سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ بلاشبہ اس برق و باراں میں بھی اہل عقل کے لئے اللہ کی قدرت کاملہ کی نشانیاں ہیں۔

نبی کی ضرورت

تمام کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، اور وہی تمام مخلوقات کا پالنے والا ہے، اسی نے جنوں اور انسانوں کو اپنی کسی ضرورت اور غرض کے لئے نہیں بل کہ ان کے اپنے نفع کے لئے عبادت کی ادائیگی کی

۳۔ الروم ۲۴

صلاحیت اور استعداد کے ساتھ پیدا کیا، تاکہ وہ اس کے معبود برحق ہونے کا اقرار کریں اور اسے پہچانیں۔ چناں چہ ارشاد ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ○ (۴)

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔

اگر تنہا قرآن مجید یا کوئی دوسری آسمانی کتاب ہدایت و رہنمائی کے لئے کافی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کو تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجنے کی ضرورت نہ ہوتی، بل کہ جب بھی ضرورت ہوتی تو کوئی آسمانی کتاب نازل کر دی جاتی۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ انبیاء کی تعداد کے مقابلے میں کتابوں اور صحیفوں کی تعداد بہت ہی کم ہے، یعنی ۱۰۴ یا ۳۱۴ وغیرہ۔ اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ اصل ضرورت و اہمیت نبی کی ہے، کتاب ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لئے پیغمبر اور ان کی تعلیمات کو کتاب سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ خود قرآن مجید نے بھی متعدد مقامات پر نبی کریم ﷺ کی سنت، آپ کے فیصلوں، آپ کی ہدایات اور آپ کی طرف سے بیان کردہ قرآن کریم کی تفسیر و توضیح پر عمل کرنے کو لازمی قرار دیا ہے اور آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر آخرت میں دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے۔

جس طرح اللہ نے انسان کے جسم کی غذا کا انتظام کیا ہے اسی طرح اس نے روح کی غذا کا بھی اہتمام کیا ہے۔ چناں چہ جب شیطانی قوتیں غلبہ پا کر انسان کی روحانی ترقی روک دیتی ہیں اور لوگوں میں برائیوں کا زور اور حق سے روگردانی عام ہو جاتی ہے اور ہر طرف فتنہ و فساد پھیل جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کاملہ سے ایک نبی کو بھیجتا ہے جو لوگوں کو حق کی دعوت دیتا ہے اور کفر و نافرمانی سے روکتا ہے۔

اللہ کا ارشاد ہے:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ص وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ط وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ج فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ط وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ (۵).

پہلے سب لوگ ایک ہی دین پر تھے۔ (پھر جب ان میں اختلاف ہوا تو) اللہ نے نبی بھیجے جو خوش خبری دیتے اور ڈراتے تھے اور ان کے ساتھ سچی کتاب بھی نازل کی تاکہ اللہ

۴۔ الذریت ۵۶

۵۔ البقرہ ۲۱۳

اختلافی باتوں میں لوگوں کے درمیان فیصلہ فرمادے اور واضح دلائل آ جانے کے باوجود اس کتاب میں محض ضد کی وجہ سے ان ہی لوگوں نے اختلاف کیا جن کو کتاب دی گئی تھی۔ پھر اللہ نے اپنے فضل سے مومنوں کو اس امر کی ہدایت کردی جس میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ ایک زمانے میں تمام لوگ ایک ہی عقیدے اور خیال کے حامل تھے۔ پھر رفتہ رفتہ ان میں اختلاف پیدا ہونے لگے اور پھر کچھ عرصے کے بعد ان کے عقائد بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوگئے اور یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوگیا کہ کون حق پر ہے اور کس کے عقائد باطل ہیں۔اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور ان پر اپنی کتابیں نازل فرمائیں۔انبیا علیہم السلام لوگوں کے عقائد اور اعمال واحوال کی اصلاح فرماتے تھے۔ جو لوگ ان کے طریقے پر عمل کرتے وہ ان کو خوش خبری سناتے تھے اور جو لوگ ان کا انکار کرتے تھے ان کو آخرت کے عذاب سے ڈراتے تھے۔ اکثر لوگوں نے اللہ کے نبیوں اور آسمانی کتابوں کو جھٹلایا اور ان کا انکار کیا۔اس طرح لوگوں کے دو گروہ بن گئے۔ایک وہ جنہوں نے انبیا علیہم السلام کے ذریعے اللہ کے پیغام کو قبول کیا دوسرے وہ جنہوں نے پیغام الٰہی کو جھٹلایا اور انبیا علیہم السلام کی بات نہ مانی۔

الٰہی حضرت آدم علیہ السلام کے بعد بہت سے نبی اور رسول آئے اور کوئی امت،کوئی قوم،کوئی زمانہ اور کوئی جگہ نبیوں اور ان کے جانشینوں سے خالی نہیں رہی۔ چناں چہ اللہ کا ارشاد ہے۔

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ بِالۡحَقِّ بَشِیۡرًا وَّنَذِیۡرًا ؕ وَاِنۡ مِّنۡ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیۡهَا نَذِیۡرٌ ۝ (۶)

بے شک ہم نے آپ کو دین حق دے کر بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے اور کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی (آخرت کے عذاب سے) ڈرانے والا نہ آیا ہو۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کا کام تو ان کافروں کے کانوں تک اللہ کا پیغام پہنچا دینا اور ان کو دوزخ کا خوف دلانا ہے۔ بلاشبہ ہم نے آپ کو دین حق دے کر جنت کی خوش خبری سنانے والا اور دوزخ سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔آپ سے پہلے کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی خبردار کرنے والا نہ گزرا ہو۔اس کے باوجود ان میں بھی بہت سے کافر گزرے ہیں۔اسی طرح آپ کی امت میں بھی جو لوگ مردہ دل ہیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

۶۔ الفاطر ۲۴

اورارشاد ہے:

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ (۷)

اور کافر کہتے ہیں کہ اس کے رب کی طرف سے اس پر کوئی نشانی کیوں نہ نازل کی گئی۔ بلاشبہ آپ کا کام تو (عذاب سے) خبردار کردینا ہے اور ہرقوم کے لئے ہادی آتے رہے ہیں۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو ان کافروں کی باتوں پر مغموم اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ معجزے دکھانا آپ کے اختیار میں نہیں۔ آپ کا کام تو صرف تبلیغ دین اور ان لوگوں کو آخرت کے عذاب سے خبردار کرنا ہے۔ پہلے ہی بہت سے معجزے آپ سے ظاہر ہوچکے ہیں۔ یہ بدبخت تو شق القمر جیسے معجزے کا بھی انکار کرچکے ہیں۔ اب مزید معجزے دکھانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ پھر فرمایا کہ ہرقوم کے لئے ایک ہادی ہوتا ہے۔ آپ بھی ہادی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اس لئے آپ کا کام تو بس حق کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرنا اور ان کو اللہ کی نافرمانی کے انجام سے ڈرانا ہے۔

اورارشاد ہے:

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ (۸)

اور ہرامت کے لئے ایک رسول ہوا ہے۔ پھر جب ان کا رسول آجاتا ہے تو انصاف کے ساتھ ان کا فیصلہ کردیا جاتا ہے۔ اور ان پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جاتا۔

ہرقوم اور ہرامت کے لئے ایک رسول بھیجا گیا ہے جو اللہ کے احکام ان کو پہنچاتا ہے۔ سو جب اللہ کا رسول معجزے اور دلائل اور اس کے احکام لے کر ان کے پاس آجاتا ہے اور وہ پھر بھی کفر پر قائم رہیں اور اللہ کے رسول کو جھوٹا قرار دیں تو اللہ اپنے رسول اور اس کی امت کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیتا ہے۔ رسول کی تکذیب کرنے والوں کو ہلاک اور مومنوں اور رسول کو محفوظ رکھتا ہے۔ اللہ کا فیصلہ انصاف پر مبنی ہوتا ہے۔ وہ کسی پر ظلم وزیادتی نہیں کرتا کیوں کہ حجت پوری ہونے کے بعد مواخذہ ظلم نہیں بل کہ عین عدل اور انصاف ہے۔

اورارشاد فرمایا:

۷۔ الرعد ۷

۸۔ یونس ۴۷

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝ (۹)

اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک رسول ہیں۔ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔پھر اگر ان کا انتقال ہوجائے یا شہید ہوجائیں تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے،اور جو کوئی الٹے پاؤں پھرے گا تو وہ اللہ کا ہرگز کچھ نہ بگاڑ سکے گا،اور عن قریب اللہ شکر گزاروں کو جزا دے گا۔

گزشتہ انبیا کی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک رسول ہیں،خدا نہیں کہ ان پر موت اور فنا کا آنا محال ہو۔جس طرح دوسرے انبیاء اپنے اپنے زمانے میں رسالت کے فرائض انجام دے کر اللہ کو پیارے ہو گئے اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی رسالت کے فرائض انجام دے کر اپنے خالق سے جا ملیں گے۔جس طرح سابقہ انبیاء کی وفات کے بعد ان کا دین ختم نہیں ہوا اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان کا دین بھی قائم رہے گا۔لہٰذا مسلمانوں کو اسلام سے منہ موڑ کر مرتد نہیں ہونا چاہئے۔اگر کوئی دین اسلام سے پھرے گا تو وہ اللہ کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا بل کہ وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور ان کی وفات کے بعد اسلام پر قائم رہ کر نعمت اسلام کا شکر گزار رہے گا اور اللہ کے دین کی اشاعت وحفاظت کے لئے جہاد کرتا رہے گا تو اللہ بھی اس کو ضرور جزائے خیر دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۝ (۱۰)

اور ہم نے معجزے بھیجنا اس لئے موقوف کر دیا کہ پہلے لوگ ان کی تکذیب کر چکے ہیں،اور ہم نے ثمود کو (ان کی فرمائش پر) اونٹنی دی تھی جو بصیرت کا ذریعہ تھی۔سو انہوں نے اس کے ساتھ ظلم کیا اور ہم نشانیاں ڈرانے ہی کے لئے بھیجتے ہیں۔

مشرکین مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ سے پہلے جو انبیا گزرے ہیں ان میں سے بعض کے تابع ہوا تھی،بعض مُردوں کو زندہ کرتے تھے اور بعض پر من وسلویٰ اترتا تھا وغیرہ۔اگر آپ چاہتے

۹۔آل عمران ۱۴۴

۱۰۔الاسرا ۵۹

ہیں کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو آپ اس صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دیں ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ پہلی امتوں میں بھی لوگوں نے اپنی پسند کے معجزے طلب کئے تھے اور کہا تھا کہ اگر ہماری خواہش کے مطابق معجزہ آئے گا تو ہم ایمان لے آئیں گے مگر وہ اپنی خواہش کے مطابق معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے۔ اس لئے ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ یہ منکرین بھی ان ہی لوگوں کی طرح ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں ان کی خواہش پر صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دوں گا۔ اگر یہ پھر بھی ایمان نہ لائے تو ان کو فوراً ہلاک کر دیا جائے گا اور اہم ان کو تباہ کرنا نہیں چاہتے بل کہ ہم ان کو مہلت دینا چاہتے ہیں۔

قومِ ثمود کو دیکھو کہ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ آپ معجزے کے طور پر اس خاص پتھر میں سے اونٹنی نکال دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کی دعا پر ان کا مطالبہ پورا کر دیا لیکن وہ ایمان نہ لائے بل کہ وہ رسول کو جھٹلاتے رہے اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ اس پر اللہ نے ان کو تین دن کی مہلت دی اور پھر ہلاک کر دیا۔ پھر فرمایا کہ ہم ایسے معجزے صرف ڈرانے ہی کے لئے دکھایا کرتے ہیں۔ (۱۱)

نبوت فنی یا کسبی نہیں

نبوت و رسالت کوئی فن یا ہنر نہیں جس کو کسب و اکتساب اور اپنی محنت و صلاحیت سے حاصل کیا جا سکے، بل کہ یہ منصب محض عطائے ربانی کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے۔ آدمی اپنی ریاضت، عمل صالح، ذکر و تسبیحات اور عبادات میں کمال پیدا کر کے ولی تو بن سکتا ہے، مگر نبی نہیں بن سکتا۔ نبی تو وہی ہو گا جس کو اللہ تعالیٰ منصب نبوت و رسالت عطا فرمائے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسٰلَتَہٗ ؕ (۱۲)

اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کس کو عطا فرمائے۔

جس طرح دیگر انبیا اپنے اپنے زمانے، اپنی اپنی قوم اور اپنے اپنے علاقے کے لوگوں کی ہدایت و رہ نمائی کے لئے احکام خداوندی لے کر آتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی تائید و حمایت اور وحی سے نوازا، اسی طرح سب سے آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آئے۔ آپ کو بھی

۱۱۔ تفسیر حقانی ۳/۱۲۴

۱۲۔ الانعام ۱۲۴

اللہ تعالیٰ نے اپنی تائید وحمایت اور وحی سے نوازا۔ جسے ارشاد ہے:

اِنَّآ اَوۡحَيۡنَآ اِلَيۡكَ كَمَآ اَوۡحَيۡنَآ اِلٰى نُوۡحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ (۱۳)

بلاشبہ ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی کی جس طرح نوح اور ان کے بعد آنے والے نبیوں کی طرف کی۔

سابقہ انبیا میں ہر ایک، ایک خاص زمانے اور ایک خاص قوم کے لئے مبعوث ہوا تھا۔ مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت قیامت تک ہر قوم اور ہر زمانے کے لوگوں کے لئے ہے۔ آپ خاتم الانبیا ہیں، وحی ورسالت کا مقدس سلسلہ آپ پر ختم ہوگیا۔ اب قیامت تک نہ کوئی نبی اور رسول آئے گا اور نہ کسی انسان پر وحی نازل ہوگی۔ اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے، کیوں کہ آپ ﷺ کو جو کتاب عطا کی گئی ہے، وہ تمام سابقہ کتب کی ناسخ اور احکامات الٰہیہ کی جامع ومکمل کتاب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، تاکہ آپ کی شریعت قیامت تک بلا کسی تحریف وتغیر باقی رہے۔

وحی

لغت میں وحی کے معنی ہیں۔ دوسرے کو پوشیدہ طور پر کچھ بتانا۔ جلدی سے کوئی اشارہ کردینا، دل میں کوئی بات ڈالنا، الہام کرنا، عمل میں جلدی کرنا وغیرہ۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ لفظ اصل میں تفہیم یعنی سمجھانے کے معنی میں آتا ہے۔ پھر یہ تفہیم جس طرح بھی ہو خواہ کلام کے ذریعے ہو یا کتابت یا اشارے وغیرہ سے ہو سب وحی ہے (۱۴)

علامہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ وحی کے معنی ہیں جلدی سے اشارہ کردینا، خواہ یہ اشارہ رمز وکنائے سے کیا جائے یا کسی بے معنی آواز سے، اور خواہ کسی عضو کے اشارے سے ہو یا کسی تحریر سے۔ (۱۵)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقام بعثت

اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ دنیا کی قوموں میں سے کس قوم میں اس کی اطاعت وعبادت کی صلاحیت زیادہ ہے۔ اس لئے وہ اس منتخب قوم میں اور منتخب مقام پر اپنا رسول مبعوث فرماتا ہے، اور اس قوم پر اپنے رسول کی اطاعت واجب فرماتا ہے۔ اس لئے کہ اس قوم کی ہدایت اور اصلاح کا انحصار اسی

۱۳۔ النسا، ۱۶۳

۱۴۔ ابن حجر العسقلانی۔ فتح الباری۔ قدیمی کتب خانہ کراچی: ج ا، ص ۱۱

۱۵۔ راغب اصفہانی۔ المفردات۔ مصر، مصطفی البابی الحلبی، ۱۹۶۱، ص ۵۱۵

پیغمبر کی پیروی اور اتباع پر ہوتا ہے۔

دنیا کا جغرافیہ دیکھنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے لئے روئے زمین پر عرب سے زیادہ موزوں کوئی اور مقام نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ یہ ایشیا اور افریقہ کے عین وسط میں واقع ہے۔ اس زمانے میں یورپ کی متمدن قومیں زیادہ تر جنوبی یورپ میں آباد تھیں، جو عرب سے زیادہ دور نہیں تھا۔ بل کہ عرب اور اس کے درمیان قریب قریب اتنا ہی فاصلہ تھا جتنا کہ عرب اور ہندوستان کے درمیان ہے۔

تاریخی مطالعے سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ نبوت کے لئے اس زمانے کی عرب قوم سے زیادہ موزوں کوئی اور قوم نہ تھی۔ جہاں تہذیب وتمدن کے حوالے سے غیر عرب قومیں بگڑ چکی تھیں وہاں عرب قوم کو تمدن کی ہوا بھی نہیں لگی تھی۔ اس لئے وہ تمدن کے برے اثرات مثلاً عیش پسندی اور سہل انگیزی سے بالکل پاک تھی۔ اس کے برعکس بہادری، بےخوفی، بےباکی، فیاضی، سخاوت، مہمان نوازی اور عہد کی پابندی جیسے اوصاف اور خوبیاں ان میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ وہ آزاد تھے کسی کے غلام نہ تھے، اس لئے وہ آزادی کو پسند کرتے تھے اور اپنی عزت کے لئے مرمٹنا ان کے لئے آسان تھا۔ وہ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے، ان کو عیش وعشرت کی ہوا نہیں لگی تھی۔ اس کے ساتھ ہی بہت سی برائیاں ان میں جڑ پکڑے پکڑے ہوئے تھیں، مثلاً اخلاقی پستی، جہالت، شراب نوشی، زنا، قتل و غارت گری وغیرہ۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے بعد ۲۵۰۰ سال سے ان میں کوئی پیغمبر نہیں آیا تھا جو ان کے اخلاق کو درست کرتا اور ان کو تہذیب سے روشناس کراتا۔ ان کی جہالت کو دور کرتا اور ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام کرتا۔

جہاں تک عربی زبان کا تعلق ہے تو اس کی وسعت، اسکی فصاحت و بلاغت، اس کا زور بیان، اس کی دلوں پر اثر کرنے کی قوت، اس کی شیرینی، اور اس کی چھوٹے چھوٹے اور مختصر جملوں میں بڑے بڑے مضامین ادا کرنے کی صلاحیت نے اس کو دوسری زبانوں سے ممتاز بنا دیا تھا۔ اس لئے کلام الٰہی کو پھیلانے، بیان کرنے، دلوں پر اثر کرنے اور کانوں میں رس گھولنے میں اس سے بڑھ کر کوئی دوسری زبان نہیں تھی۔ لہٰذا یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی حکمت تھی کہ اس نے تمام جہانوں کی پیغمبری کے لئے عرب کے مقام اور اظہار کے وسیلے کے لئے عربی زبان کو منتخب فرمایا۔

اطاعت رسول کی فرضیت

اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو بھی لازمی قرا

دیا۔ چناں چہ ارشاد ہے:

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ (۱۶)

اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کا صریح اور واضح حکم فرمایا، جیسے شرک و کفر کا انتہائی جرم ہونا، اللہ وحدہ لاشریك له کی عبادت کرنا، قیامت اور آخرت پر یقین رکھنا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا آخری رسول ماننا، نماز، روزہ حج اور زکوۃ کو فرض سمجھنا وغیرہ۔ یہ سب بہ راہ راست احکام ربانی ہیں۔ ان کی مزید تفصیل وتشریح کی ضرورت نہیں۔ ان کی تعمیل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

قرآن کریم میں بعض احکام کا مجمل بیان ہے۔ ان کی تفصیل وتشریح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث کے ذریعے فرمائی ہے۔ ایسے احکام کی اطاعت بھی اگر چہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے مگر ظاہری اعتبار سے چوں کہ یہ احکام صریح طور پر قرآن کریم میں نہیں ہیں بل کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے امت کو پہنچے، اس لئے ان کی اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کہلاتی ہے۔

مجمل احکام کی تفصیل چوں کہ قرآن مجید میں مذکور نہیں اس لئے اس بات کا احتمال تھا کہ کسی ناواقف کو یہ دھوکہ ہوجائے کہ یہ تفصیلی احکامات اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے نہیں ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ان کی تعمیل ضروری نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بار بار اپنی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو لازمی قرار دیا، اور فرمایا کہ رسول جو کچھ تمہیں دیں اس کو بھی اللہ کی اطاعت سمجھ کر مانو خواہ وہ قرآن کریم میں صراحتاً موجود ہو یا نہ ہو۔ جیسے ارشاد ہے:

وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ ۚ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝ (۱۷)

اور رسول جو کچھ تمہیں دیں اس کو لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

اور ارشاد ہے:

۱۶۔ النساء ۵۹

۱۷۔ الحشر ۷

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَایُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَO (۱۸)

آپ کہہ دیجئے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ پھر اگر وہ اعراض کریں تو اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو لازمی اور ضروری قرار دیا گیا اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت محض زبانی کلامی نہیں ہوتی بل کہ اپنے اندر وہ صفات پیدا کرنے سے ہوتی ہے جن کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حکم دیا اور جن سے وہ پہچانا جائے کہ واقعی وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا مطیع و فرماں بردار ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا وجود، اس کی وحدانیت، اس کی بندگی اور اس کی اطاعت کا اقرار کرنا، ایمان کا ایک جز ہے۔ اسی طرح رسول کی تصدیق اور اس کی اطاعت ایمان کا دوسرا جز ہے۔

سورۂ نور میں ارشاد ہے:

وَاِنْ تُطِیْعُوْہُ تَھْتَدُوْا (۱۹)

اور اگر تم رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًاO (۲۰)

اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تو وہی عظیم کام یابی سے ہم کنار ہوا۔

ان آیتوں سے خوب واضح ہے کہ ہدایت و کام یابی کا دار و مدار اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرماں برداری پر ہے۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرماں برداری کی اس نے عظیم کام یابی حاصل کی۔ سورہ النساء میں ارشاد ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِط (۲۱)

اور ہم نے ہر رسول اس لئے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے

پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر زمانے کے رسول کی اطاعت اس کی امت پر فرض ہوتی ہے۔ منصب رسالت یہی ہے کہ رسول کے تمام فرمانوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام سمجھ کر ان پر دل و جان سے عمل کیا

۱۸۔ آل عمران ۳۲

۱۹۔ النور ۵۴

۲۰۔ الاحزاب ۷۱

۲۱۔ النساء ۶۴

جائے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (۲۲)

جس نے رسول کی اطاعت کی تو بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

احکام دین خواہ ہمیں بہ راہ راست قرآن حکیم کے ذریعے ملے ہوں یا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل یعنی حدیث رسول کے ذریعے ہمیں معلوم ہوئے ہوں، دونوں قسم کے احکام کے مجموعے کو شریعت کہتے ہیں، چوں کہ آپ کی حدیث قرآن کریم کی تفسیر وتشریح ہے اور آپ اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے، بل کہ وہی فرماتے ہیں جو آپ پر وحی کیا جاتا ہے یعنی آپ تو اللہ کا حکم پہنچانے والے ہیں اور حکم دینے والا تو اللہ ہی ہے۔ اس لئے آپ کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہے، اور جو شخص رسول کی اطاعت نہیں کرتا اور اس کے احکام نہیں مانتا وہ بلاشبہ اللہ کا انکار کرتا ہے۔ اور ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ (۲۳)

اے ایمان والو! اللہ اور رسول کا حکم مانو جب کہ رسول تمہیں بلائیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب فرما کر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی فوری تعمیل واطاعت کی تاکید فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تمہیں کوئی حکم دیں تو تم فوراً اس کو قبول کرو اور تعمیل حکم میں جلدی کرو۔

حضرت ابوسعید بن معلیٰ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے اور وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے ان کو بلایا وہ نماز پڑھ کر گئے تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے جواب کیوں نہیں دیا، انہوں نے کہا میں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کیا اللہ نے نہیں فرمایا اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دو جب وہ تمہیں بلائیں۔ (۲۴)

بے شمار قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ شاہد ہیں کہ انسان کی کامل اصلاح اور دنیا وآخرت کی تمام کامیابیوں کی ضمانت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت، آپ کی تعلیمات اور سنتوں کی پیروی میں مضمر ہے اور یہ اطاعت وپیروی نماز، روزے، تک محدود نہیں بل کہ اس کا دائرہ کار تمام معاملات وحقوق سمیت زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر کام اور ہر معاملے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

۲۲۔ ایضاً ۸۰

۲۳۔ الانفال ۲۴

۲۴۔ ابوداؤد۔ السنن: ج ۱ ص ۵۴۲، رقم ۱۴۵۸

ہمارے لئے ایک مثالی نمونہ بنا کر مبعوث فرمایا۔ چناں چہ ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا O (۲۵)

البتہ تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اچھا نمونہ (عمل) ہے اس شخص کے لئے جو اللہ کا اور آخرت کے دن کا امیدوار ہو اور اللہ کو بہ کثرت یاد کرنے والا ہے۔

اس آیت میں صاف صاف بتا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی رہ نمائی کے لئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام ظاہری و باطنی کمالات سے کامل درجے تک مزین فرما کر اس دنیا میں بھیجا، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک آنے والے لوگوں کی رہ نمائی کے لئے زندگی کے ہر گوشے ہر پہلو اور ہر موقع کے لئے خواہ وہ عبادات ہوں یا معاملات، معاشرت ہو یا اخلاق و کردار، سیاست ہو یا نظام حکومت، انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی خانگی، معاملات ہوں یا مملکتی امور، زمانہ امن ہو یا زمانہ جنگ، بہترین اور کامل ترین نمونہ عمل دنیا کے سامنے پیش فرما دیں۔

اسوہ کا تعلق علم سے نہیں عمل سے ہے اور دین کے عملی نمونے صرف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور حیات طیبہ ہی میں مل سکتے ہیں۔ اس آیت میں خود اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے طریقے اور عمل کو لوگوں کے لئے اچھا نمونہ قرار دیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ اس اچھے نمونے پر وہی لوگ عمل کریں گے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان و یقین رکھتے ہوں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے ہوں، یعنی مومنوں کے لئے آپ کے اسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہونا واجب ہے۔ پس جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور نہ اللہ کو کثرت سے یاد کرتے ہیں، وہ نہ اس نمونے کو مانیں گے اور نہ اس پر عمل کریں گے۔

آپ ﷺ کے مقاصد بعثت

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا، ہر نبی اپنے زمانے کے انسانوں کے لئے نمونہ عمل اور آئیڈیل ہوتا ہے، اس کا عمل لوگوں کے لئے دلیل ہوتا ہے، اس کے معاملات سچائی اور پاکیزگی پر مبنی ہوتے ہیں، اس کی معاشرت، حسن سلوک اور لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کی بہترین مثال ہوتی ہے۔ اور وہ بہترین اخلاق کا پیکر ہوتا ہے۔ ان انبیا کی بعثت خاص خاص زمانوں اور خاص خاص قوموں اور علاقوں کے لئے تھی۔ بعثت کا یہ سلسلہ جاری تھا۔ ایک کے بعد دوسرا نبی آ رہا تھا۔ اس لئے ان کی تعلیمات کو قائم اور باقی رکھنے کی

۲۵۔ الاحزاب:۲۱

ضرورت نہیں تھی۔ تاہم ایک ایسے رہبر و رہ نما کی ضرورت ابھی باقی تھی جو ساری دنیا کے انسانوں کی ہدایت و رہ نمائی کے لئے ایک ایسی جامع اور کامل و مکمل شریعت لے کر آئے جس کے بعد کسی اور پیغمبر اور شریعت کی ضرورت باقی نہ رہے۔ چناں چہ اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیا کی بعثت کے سلسلے کو ختم کرتے ہوئے سب سے آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ پر دین کی تکمیل فرمادی۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

۱۔ رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۝ (۲۶)

اے ہمارے رب ان میں ان ہی میں سے ایک ایسا رسول بھیج جو ان کو تیری آیتیں پڑھ کر سنایا کرے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے (پاک و صاف بنا دے) بے شک تو ہی زبردست حکمت والا ہے۔

۲۔ كَمَآ اَرۡسَلۡنَا فِيۡكُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡكُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيۡكُمۡ وَيُعَلِّمُكُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُعَلِّمُكُمۡ مَّا لَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ ۝ (۲۷)

جیسا کہ ہم نے تم میں، تمہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور وہ تمہیں ایسی باتوں کی تعلیم دیتا ہے جن کو تم نہیں جانتے تھے۔

۳۔ لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَ يُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ ۚ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ۝ (۲۸)

بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان کیا جب ان میں ان ہی میں کا ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک و صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور بے شک اس سے پہلے وہ صریح گم راہی میں تھے۔

۴۔ هُوَ الَّذِىۡ بَعَثَ فِى الۡاُمِّيّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ

۲۶۔ البقرہ۔۱۲۸

۲۷۔ البقرہ۔۱۵۱

۲۸۔ آل عمران ۱۶۴

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ۝ (۲۹)

اُسی نے اَن پڑھوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کرسناتا ہے اور اُن کا تزکیہ کرتا ہے اور اُن کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔

مذکورہ آیات میں بعض الفاظ کی تقدیم وتاخیر کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ورسالت کے چار مقاصد بیان فرمائے ہیں۔

۱۔تلاوت کتاب، ۲۔تزکیۂ نفوس، ۳۔تعلیم کتاب، ۴۔تعلیم حکمت

مزید پانچ اہم مقاصد: ۵۔تذکر، ۶۔انذار وتبشیر، ۷۔تبیین کتاب، ۸۔اراءت، ۹۔دعوت وتبلیغ، قرآن کریم میں متعدد جگہ مذکور ہیں۔ذیل میں ان تمام مقاصد بعثت کی علیحدہ علیحدہ تفصیل وتشریح دی جارہی ہے۔

۱۔تلاوت کتاب

کتاب پڑھنا۔کتاب کی تلاوت کرنا۔مصدر ہے۔امام راغب اصفہانی کہتے ہیں کہ تلاوت کے اصل معنی اتباع اور پیروی کے ہیں۔قرآن وحدیث کی اصطلاح میں یہ لفظ قرآن کریم اور دوسری آسمانی کتابوں اور کلام الٰہی کے پڑھنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔یہ کلام جس طرح اللہ کی طرف سے نازل ہوا اس کو اسی طرح پڑھنا ضروری ہے۔اپنی طرف سے کسی لفظ یا اس کی حرکات میں کمی بیشی یا تبدیلی کی اجازت نہیں۔عام پڑھنے کو قرأت کہتے ہیں اور مقدس کتابوں کے پڑھنے کو تلاوت کہتے ہیں۔پس ہر تلاوت قرأت ہے اور ہر قرأت تلاوت نہیں ہوتی۔نیز کلام الٰہی کے سوا کسی دوسری کتاب یا کلام کے پڑھنے کو تلاوت نہیں کہا جاسکتا۔(۳۰)

تفسیر طبری میں ہے:

یقوء علیھم کتابك الذی توحیه الیه۔(۳۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو وہ کتاب پڑھ کرسناتے ہیں جو آپ پر وحی کی گئی ہے:

۲۹۔الجمعہ۲

۳۰۔المفردات:ص۷۵

۳۱۔جامع البیان تفسیر طبری:ج۱،ص۶۴۴۔داراحیاء التراث العربی،بیروت

یقرء القرآن ویبلغھم مایوحیٰ الیہ من دلائل التوحید والنبوۃ (۳۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھ کر سناتے ہیں اور جو کچھ توحید ونبوت کے دلائل آپ کی طرف وحی کیے گئے ہیں وہ دلائل آپ ان کو پہنچاتے ہیں۔

تفسیر کبیر میں ہے کہ تلاوت قرآن بجائے خود مقصود ہے کیوں کہ:

۱۔ تلاوت کے ذریعے قرآن کریم کے الفاظ محفوظ ہوتے ہیں اور ان میں تحریف کا امکان نہیں رہتا۔

۲۔ تلاوت اس لئے بھی ضروری ہے کہ الفاظ قرآن اور نظم قرآن دونوں بہ طور معجزہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم صادر ہوئے ہیں۔

۳۔ تلاوت عبادت کی ایک قسم ہے، اسی لئے اس پر ثواب ملتا ہے۔

۴۔ نماز جیسی اہم عبادت کی تکمیل تلاوت قرآن کے بغیر ممکن نہیں ہوسکتی۔

اس لئے تلاوت بہ جائے خود عبادت اور لازمی حکم ہے۔ البتہ یہ درست ہے کہ قرآن کے نزول کا اصل مقصد اس کو پڑھ کر سمجھنا اور اس سے رہ نمائی حاصل کرنا ہے کیوں کہ قرآن اپنا تعارف ہدایت اور نور کہہ کر کراتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں کا تعلق قرآن کے معانی اور اس میں پنہاں حکمتوں اور اسرار سے ہے۔ (۳۳)

الفاظ اور معانی دونوں کا نام قرآن ہے۔ مذکورہ آیات میں، تلاوت اور تعلیم کتاب کو الگ الگ بیان کر کے یہ بتادیا گیا کہ جس طرح قرآن کریم کے معانی سمجھنا اور اس کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کرنا کرنا فرض اور اعلیٰ عبادت ہے اسی طرح اس کے الفاظ بھی مستقل مقصود اور عبادت ہیں۔ ان کی تلاوت و حفاظت فرض اور باعث ثواب عظیم ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے قرآن کریم کا ایک حرف پڑھا اس نے ایک نیکی کمالی اور یہ ایک نیکی اللہ کے قانون کے مطابق دس نیکیوں کے برابر ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے۔ بل کہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ (اس طرح الم پڑھنے والا تیس نیکیوں کے برابر ثواب حاصل کرے گا) (۳۴)

اور ارشاد ہے:

كَذٰلِكَ اَرۡسَلۡنٰكَ فِىۡۤ اُمَّةٍ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهَاۤ اُمَمٌ لِّتَتۡلُوَا۟ عَلَيۡهِمُ الَّذِىۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ

۳۲۔ تفسیر سراج المنیر، الخطیب الشربینی: ج۱،ص ۱۰۷، دار الکتاب العلمیہ بیروت

۳۳۔ تفسیر کبیر۔ الرازی: ج ۲، ص ۵۹۔ مطبوعہ، مکتبہ علوم اسلامیہ، اردو بازار لاہور

۳۴۔ ترمذی: ج ۴، ص ۴۱۷، رقم ۲۹۱۹، دارمی: ج ۲، ص ۵۲۱

اِلَیۡکَ وَھُمۡ یَکۡفُرُوۡنَ بِالرَّحۡمٰنِ ؕ قُلۡ ھُوَ رَبِّیۡ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۚ عَلَیۡہِ تَوَکَّلۡتُ وَاِلَیۡہِ مَتَابِ ۝ (۳۵)

اسی طرح ہم نے آپ کو ایک ایسی امت میں رسول بنا کر بھیجا ہے جس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں، تا کہ آپ ان کو وہ (کتاب) پڑھ کر سنا دیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے۔ اور یہ لوگ رحمٰن کے منکر ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب تو وہ ہے جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، میں نے تو اسی پر بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

جس طرح آپ سے پہلے ہم نے دوسرے پیغمبروں کو ان کی امتوں کی طرف بھیجا تھا اسی طرح ہم آپ کو بھی ایک امت میں پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ آپ سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں جن کی طرف دوسرے پیغمبروں کو بھیجا گیا تھا۔ آپ کو بھیجنے کی غرض یہ ہے کہ آپ ان کو وہ قرآن پڑھ کر سنا دیں جو ہم نے وحی کے ذریعے آپ کو دیا ہے۔ یہ قرآن آپ کی نبوت و رسالت کی سب سے بڑی نشانی اور اللہ کی عظیم رحمت اور نعمت ہے۔ ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کرنے کی بہ جائے اس کی ناشکری کرتے ہیں اور قرآن پر ایمان نہیں لاتے۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ جس رحمٰن کا تم انکار کرتے ہو وہی میرا خالق اور کارساز ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور وہی تمہارے مقابلے میں میری مدد کرے گا۔ میری تمام تر توجہ اور رجوع اسی کی طرف ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

رَّسُوۡلًا یَّتۡلُوۡا عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ مُبَیِّنٰتٍ لِّیُخۡرِجَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ؕ وَمَنۡ یُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰہِ وَیَعۡمَلۡ صَالِحًا یُّدۡخِلۡہُ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ؕ قَدۡ اَحۡسَنَ اللّٰہُ لَہٗ رِزۡقًا ۝ (۳۶)

ایک رسول جو تمہیں اللہ کی کھلی کھلی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، تا کہ ایسے لوگوں کو جو ایمان لائیں اور اچھے کام کریں، تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے۔ اور جو اللہ پر ایمان لائے اور اچھے کام کرے گا تو اللہ اُس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بے شک اللہ نے ان کو خوب رزق دیا۔

بے شک اللہ نے قرآن دے کر ایک ایسا رسول تمہارے پاس بھیجا ہے جو تمہیں اللہ کے واضح اور

۳۵۔ الرعد ۳۰

۳۶۔ الطلاق ۱۱

صاف احکام پڑھ کر سناتا ہے تاکہ وہ مومنوں اور نیک کام کرنے والوں کو کفر و جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر نور ہدایت کی روشنی میں لے آئے۔ جو شخص ایمان لائے اور نیک کام کرے تو اللہ اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ یقیناً اللہ نے ان کو بہت اچھی روزی عنایت فرمائی ہے۔

قرآن کریم دنیا کی دوسری کتابوں کی مانند نہیں۔ دنیا کی کتابوں میں صرف معانی مقصود ہوتے ہیں۔ اگر ان کے الفاظ میں کچھ تغیر و تبدل ہو جائے تو اس سے کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح اگر ان کے الفاظ بغیر سمجھے پڑھے جائیں تو یہ بالکل لغو اور فضول کام ہے۔ اس کے برعکس قرآن کریم کے الفاظ اور معنی نہ صرف مقصود ہیں بل کہ عین عبادت ہیں۔ اگر کوئی شخص اس کے معنی نہیں سمجھتا تو اس کو اس بدنصیبی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ دنیا کی کتابوں کی طرح قرآن کریم کو بھی سمجھے بغیر پڑھنا بالکل بے کار اور فضول ہے۔

اگر قرآن کے معانی و مطالب کو قرآنی الفاظ کے علاوہ دوسرے الفاظ یا کسی دوسری زبان میں لکھا جائے تو وہ قرآن کہلانے کا مستحق نہیں، اگر چہ مضامین بالکل صحیح اور درست ہی ہوں۔ اگر کوئی شخص قرآن کریم کے معانی و مضامین کو دوسرے الفاظ کے ساتھ بدل کر نماز میں پڑھے تو اس کی نماز ادا نہیں ہوگی۔ اسی طرح قرآن کریم کی تلاوت کا وہ ثواب جو صحیح احادیث میں وارد ہوا ہے، وہ بدلی ہوئی زبان یا بدلے ہوئے الفاظ پر مرتب نہیں ہوگا۔ اسی لئے فقہائے متن کے بغیر قرآن کریم کا صرف ترجمہ لکھنے اور چھاپنے کو ممنوع فرمایا۔ پس جس طرح قرآن کریم کے معانی و مطالب کی تعلیم رسول کے فرائض میں داخل ہے اسی طرح الفاظ کی تلاوت اور حفاظت بھی ایک مستقل فرض ہے۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام جو قرآن کے معانی کو سب سے زیادہ جانتے اور سمجھتے تھے، انہوں نے محض سمجھ لینے اور عمل کر لینے کو کافی نہیں جانا۔ کیوں کہ سمجھنے اور عمل کرنے کے لئے تو ایک دفعہ پڑھ لینا کافی ہوتا۔ بل کہ انہوں نے تمام عمر قرآن کریم کی تلاوت کو جاری رکھا۔ بعض صحابہ تو روزانہ ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ بعض دو دن میں اور بعض تین دن میں ختم کرتے تھے۔

مختصراً یہ ہے کہ ان آیات میں رسول کے فرائض منصبی بیان کرتے ہوئے، تلاوت آیات کو مستقل فرض کی حیثیت دے کر اس بات کی تاکید کر دی گئی کہ قرآن کریم کے الفاظ کی تلاوت اور ان کی حفاظت اور ان کو ٹھیک اسی لب و لہجے میں پڑھنا جس پر وہ نازل ہوئے ہیں، ایک مستقل فرض ہے۔ (۳۷)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آواز کو محفوظ کرنے کے آلات وغیرہ موجود نہیں تھے، جن

۳۷۔ معارف القرآن: ج۱، ص۳۳۲

کے ذریعے آپ کی آواز کو محفوظ کرلیا جاتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے کہ انہوں نے کتاب اللہ کی صحتِ تلاوت کے سلسلے میں حروف کی صفات، مخارج، مدّ وشد اور اخفا واظہار وغیرہ کے نہ صرف قواعد وضوابط مرتب فرمائے بل کہ عملاً بھی لوگوں کی تلاوت کی اصلاح کا ایسا اہتمام کیا کہ ہر زمانے اور ہر علاقے میں لوگوں کی ایک بڑی تعداد اس علم میں کمال حاصل کرتی رہی۔ پھر ان کے ذریعے یہ علم دوسرے لوگوں تک منتقل ہوتا رہا۔ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ یہ ان ہی حضرات کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ تلاوتِ قرآن کے وہ تمام محاسن اور اوصاف جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت میں تھے، آج بھی اسی طرح محفوظ ہیں۔ یعنی جس طرح، جس ٹون، جس لہجے، جس انداز اور جن صفات کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کو پڑھ کر سنایا وہ سب محفوظ ہیں۔

۲۔ تزکیۂ نفوس

تزکیئے کے بارے میں تفسیر طبری میں ہے:

ویطهرهم من الشرك بالله وعبادة الاوثان وینمیهم ویکثرهم بطاعة الله (۳۸)

تزکیۂ نفوس کے معنی طہارت کے ہیں۔ یعنی آپ لوگوں کو ظاہری اور باطنی نجاست سے پاک کرتے ہیں۔ یہ زکی سے نکلا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی تخلیق میں گناہ اور اطاعت دونوں کے مادے اور استعداد رکھ دی ہے اور انسان کو انبیا علیہم السلام کے ذریعے صاف صاف بتادیا کہ شر اور برائی کا راستہ یہ ہے اور خیر و پرہیزگاری کا راستہ یہ ہے۔ پھر ایک حد تک انسان کو اختیار و قدرت بھی دے دی کہ وہ اپنے اختیار اور ارادے سے خواہ گناہ کا راستہ اختیار کرے یا طاعت کا راستہ، اس کو دونوں طرح کا اختیار ہے۔ آخرت میں اس کو اسی قصد و اختیار کے تحت گناہ یا اطاعت کا راستہ اختیار کرنے کا ثواب یا عذاب ملے گا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝ (۳۹)

بے شک وہ کام یاب ہوا جس نے اس (نفس) کو پاک کرلیا۔ اور بے شک وہ ناکام ہوا جس نے اس کو خاک میں ملادیا۔

اللہ تعالیٰ نے سات قسموں کے بعد فرمایا کہ جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کرلیا یعنی اللہ کی اطاعت کر

۳۸۔ جامع البیان، تفسیر طبری ج ۱ ص ۶۴۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان

۳۹۔ الشمس: ۹، ۱۰

کے اپنے ظاہر و باطن کو پاک کرلیا، اپنے رب کو یاد کیا اور نماز کی بندی کی تو وہ کام یاب و بامراد ہوا اور جس نے اپنے نفس کو گناہوں کی دلدل میں دھنسا دیا، اطاعت کو چھوڑ کرنا فرمانی میں لگا رہا وہ محروم و نامراد ہوا۔ مکے کے ابتدائی دور میں شرک اور بت پرستی سے کامل اجتناب، دل و دماغ میں خالص توحید کا عقیدہ راسخ کرنا۔ اور معصیت کو چھوڑ کر اللہ کی اطاعت اختیار کرنا تزکئے کے لئے ضروری تھا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ (۴۰)

بے شک وہ کام یاب ہوا جس نے پاکیزگی حاصل کی۔ اور اپنے رب کا نام لیتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ حال آں کہ آخرت بہت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔

جس شخص نے اللہ کی رضا اور خوش نودی کے لئے اپنے آپ کو اخلاق رذیلہ اور ظاہری و باطنی نجاستوں سے پاک کرلیا، اپنے دل و دماغ کو عقائد صحیحہ، اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ سے آراستہ کرلیا، احکام اسلام کی پیروی کی اور نماز کو ٹھیک وقت پر تعدیل ارکان کے ساتھ ادا کیا تو اس نے نجات اور فلاح پائی۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے **قد افلح من تزکی** تلاوت کرکے فرمایا:

من شھد ان لا الہ الا اللہ وخلع الانداد و شھد انی رسول اللہ (۴۱)

جس نے شہادت دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، جن چیزوں کو اس کا شریک ٹھہرایا جاتا ہے ان سے علیحدگی اختیار کی اور اس بات کی گواہی دی کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ تو وہ فلاح پا گیا اور پاکیزہ ہوگیا۔

پھر فرمایا کہ تم بھلائی کیسے حاصل کرسکتے ہو جب کہ تمہیں نہ صرف یہ کہ آخرت کی فکر نہیں بل کہ تم تو اس دنیا کی زندگی اور اس کے عیش و آرام کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دیتے ہو، حال آں کہ تمہارا فائدہ اور نفع آخرت کی زندگی کو دنیا کی چند روزہ زندگی پر ترجیح دینے میں ہے۔ دنیا ذلیل و حقیر اور فانی ہے اور آخرت اس سے کہیں بہتر، پائیدار اور باقی رہنے والی ہے۔ کوئی عقل مند آدمی فانی کو باقی پر ترجیح نہیں

۴۰۔ الاعلیٰ ۱۴۔۱۷

۴۱۔ روح المعانی: ج ۳۰، ص ۱۰۹

دے سکتا۔ لہٰذا حیات دنیا کی بہ جائے آخرت کی فلاح وسعادت کی فکر کرنی چاہئے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ط لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى O وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى هلا O جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى O (۴۲)

بے شک جو اپنے رب کے پاس مجرم ہو کر آئے گا سو اس کے لئے جہنم ہے جس میں نہ وہ مرے گا اور نہ جی ہی سکے گا۔ اور جو اس کے پاس مومن ہو کر آئے گا اور اس نے نیک اعمال بھی کئے ہوں گے تو ان کے لئے بلند درجات ہیں، ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی انعام ہے ہر اس شخص کا جو پاکیزگی اختیار کرے۔

قیامت کے دن جو شخص مجرم اور باغی ہو کر اپنے رب کے سامنے پیش ہوگا بلاشبہ اس کے لئے دوزخ کا دائمی عذاب ہے۔ وہاں اس کو کبھی موت نہیں آئے گی کہ عذاب سے چھوٹ جائے۔ اور نہ اس کو کوئی راحت نصیب ہوگی، بل کہ اس کی زندگی بڑی مشقت والی اور موت سے بدتر ہوگی۔ اس کے برعکس جو لوگ ایمان کی حالت میں اپنے رب کے سامنے حاضر ہوں گے اور انہوں نے نیک کام بھی کیے ہوں گے تو ان کے لئے بلند درجات اور ایسے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ یہ لوگ ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ جزا اور بدلہ ان لوگوں کے لئے ہے جو کفر ومعصیت کی نجاستوں سے پاک وصاف ہوں گے۔

انسان کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن، جس طرح شریعت ظاہر کے لئے ہے بالکل اسی طرح باطن کے لئے بھی ہے۔ جس طرح انسان کو بے شمار جسمانی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں، اسی طرح اس کے قلب کے اندر بھی بے شمار بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں، جیسے کفر وشرک، مال کی محبت، عہدے کی محبت، بغض، حسد، کینہ، تکبر، عداوت وغیرہ اسی قلب کی اصلاح کا نام تزکیہ ہے اور طہارت ہے، جس سے لوگوں کے قلوب کو پاک وصاف اور مزکیّ کیا جاتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث جبرائیل میں تزکیۂ نفوس کو خاص طور پر بیان کیا ہے۔

انسان کا دل اس کے جسم کا بادشاہ اور تمام اعضا کا سردار ہے۔ جس طرح نیک بادشاہ کی رعایا نیک ہوتی ہے اسی طرح جسم کے بادشاہ یعنی دل کے درست اور صالح ہونے سے اس کے جسم کے اعضا بھی

۴۲۔ طٰہٰ ۷۴۔۷۶

صالح اور درست ہوں گے اور اللہ کے احکام کی پابندی کریں گے۔قلب کا انسانی ہدایت اور گم راہی سے گہرا تعلق ہے۔ جب تک دل صحیح اور صالح رہتا ہے انسان بھلائی کے کام کرتا رہتا ہے جب اس میں فساد پیدا ہوجاتا ہے تو اس سے اس کے اعمال میں بھی فساد اور بگاڑ پیدا ہوجاتا ہے، یہاں تک کہ یہ بالکل سیاہ ہوکر صرف برائیوں کی آماج گاہ بن جاتا ہے۔

صحیحین میں حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الحلال بین والحرام بین وبینهما متشابهات لایعلمها کثیر من الناس، فن اتقی المشبهات استبرأ لدینه وعرضه ومن وقع فی الشبهات کراعی یرعی حول الحمی یوشك ان یواقعه الاوان لکل ملك حمی الا ان حمی الله فی ارضه محارمه الاو ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله،الا وهی القلب(۴۳)

حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان بہت سے مشتبہ امور ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جان سکتے۔سو جس نے اپنے آپ کو مشتبہ امور سے بچالیا تو اس نے اپنی آبرو اور دین کو بچالیا اور جو مشتبہ امور میں پڑگیا وہ حرام میں جاپڑا، اس چرواہے کی مانند جو کسی محفوظ وممنوعہ چراگاہ کے گرد جانور چرا رہا ہو تو قریب ہے کہ وہ چراگاہ میں جاپڑے۔آگاہ ہوجاؤ! ہر بادشاہ کی ایک ممنوعہ چراگاہ ہوتی ہے اور زمین پر اللہ کا ممنوعہ علاقہ اس کے محارم وممنوعات ہیں۔آگاہ ہوجاؤ (انسان کے) جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب تک وہ درست رہتا ہے تو اس کا سارا بدن درست رہتا ہے اور جب اس میں فساد پیدا ہوجاتا ہے تو سارے جسم میں فساد پیدا ہوجاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **ان العبد اذا اخطا خطیئة نکتت فی قلبه نکتة سوداء فاذا هو نزع واستغفر وتاب صقل قلبه وان عاد زید فیها حتی تعلوا قلبه وهو الران الذی ذکر الله کلابل ران علی قلوبهم ماکانو یکسبون (۴۴)**

بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ پیدا ہوجاتا ہے۔اگر اس نے

۴۳۔بخاری: ج۱،ص۲۱،رقم ۵۲۔دارمی: ج۲،ص۳۱۹،رقم ۲۵۳۱

۴۴۔ترمذی: ج۵،ص۲۲۰،رقم ۳۳۳۵

اپنے آپ کو گناہ سے علیحدہ کرلیا اور اللہ سے مغفرت مانگی اور توبہ کی تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر اس نے پھر وہی گناہ کیا تو وہ سیاہ نکتہ بڑھ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ پورے دل پر چھا جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہی وہ زنگ ہے جس کا ذکر سورۃ المطففین کی آیت کلا بل ران میں ہے۔(یعنی ہرگز نہیں بل کہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال بد کا زنگ لگ گیا ہے)

یہ قرآن اگلے لوگوں کے قصے کہانیاں نہیں بل کہ یہ تو کلام الٰہی ہے جو اس نے وحی کے ذریعے اپنے بندے پر نازل کیا ہے۔ البتہ کافروں کے دلوں پر ان کی بداعمالیوں کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ گناہوں اور خطاؤں نے ان کے دلوں کو زنگ آلود کردیا ہے۔ جس طرح زنگ لوہے کو کھا کر مٹی بنادیتا ہے اسی طرح گناہوں کے زنگ نے ان کے دلوں کی اس صلاحیت کو ختم کردیا جس سے بھلے برے کی تمیز ہوتی ہے اسی لئے وہ حق و باطل میں تمیز کے قابل نہیں رہے۔

حضرت لقمان حکمت و دانش میں بہت بلند درجہ رکھتے تھے۔ ان کی حکمتوں اور نصیحتوں کا قرآن مجید میں بھی تذکرہ ہے۔ مشہور ہے کہ جس زمانے میں وہ کسی شخص کے غلام تھے ایک دفعہ ان کے آقا نے ان کو ایک جانور دیا کہ اس کو ذبح کر کے اس کا سب سے بہتر عضو نکال کر لاؤ۔ حضرت لقمان نے اس جانور کا دل نکال کر پلیٹ میں رکھ کر اپنے آقا کے سامنے پیش کردیا۔ کچھ عرصے کے بعد اس آقا نے ایک اور جانور ان کو دیا اور کہا کہ اس کو ذبح کر کے اس کا سب سے بدتر عضو نکال کر لاؤ۔ حضرت لقمان نے اس دفعہ بھی اس کا دل نکال کر اپنے آقا کے سامنے پیش کیا۔ ان کے آقا نے کہا کہ جب میں نے سب سے بہتر عضو لانے کے لئے کہا تھا تو اس وقت بھی تم دل لائے تھے اور اب جب کہ میں نے سب سے بدتر عضو منگوایا تب بھی دل ہی لے کر آئے ہو۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ حضرت لقمان نے فرمایا کہ اگر دل کی اصلاح ہوچکی ہو تو تمام اعضائے بدن سے بہتر ہے اور اگر اس کی اصلاح نہ ہوئی ہو تو یہ سب سے بدتر عضو ہے۔(۴۵)

جس طرح انسانی جسم کا ظاہری میل کچیل اور نجاست صابن اور پانی سے دور کئے جاتے ہیں اسی طرح اس کے باطن یعنی دل کے میل کچیل کی صفائی موت کو کثرت سے یاد کرنے اور قرآن مجید کی تلاوت سے ہوتی ہے۔ چناں چہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان هذه القلوب تصدء كما يصدء الحديد اذا اصابه الماء، قيل يا رسول

۴۵۔ مولانا سید زوار حسین شاہؒ۔ مقالاتِ زواریہ۔ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی: ص۴۳

اللہ ﷺ وما جلاء ھا قال کثرۃ ذکر الموت وتلاوۃ القرآن (۴۶)

بے شک دلوں کو اسی طرح زنگ لگ جاتا ہے جس طرح پانی لگنے سے لوہے کے اوپر زنگ آجاتا ہے۔عرض کیا گیا یارسول اللہ (ﷺ) اس کو صاف کیسے کیا جائے؟ آپ نے فرمایا موت کو کثرت سے یاد کرنا اور تلاوت قرآن زیادہ کرنا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لکل شیء صقالۃ وصقالۃ القلوب ذکر اللہ (۴۷)

ہر چیز کے لئے ایک چمکانے والا (زنگ دور کرنے والا) ہوتا ہے اور دلوں کو چمکانے والا اللہ کا ذکر ہے۔

جب قلب کی اصلاح ہو جاتی ہے تو اعمال صالحہ سے اخلاص کی بدولت قلب میں انوار پیدا ہوتے ہیں، جن کی بنا پر قرب حق نصیب ہوتا ہے۔اسی اصلاح عمل کا نام تصوف ہے۔محدثین، مفسرین، فقہا اور صوفیا، سب شریعت نبوی کے حامل ہیں اور یہ ان ہی کا صدقہ ہے کہ اس امت میں دین اسلام آج بھی اسی طرح اپنی شان کے ساتھ قائم ہے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے۔

۳۔تعلیم کتاب

مذکورہ بالا آیتوں میں تلاوت آیات کے ساتھ تعلیم کو جداگانہ فرض اس لئے قرار دیا گیا کہ محض قرآن کی تلاوت کر لینا یا اس کی آیات کی تلاوت سن لینا قرآن سمجھنے کے لئے کافی نہیں بل کہ قرآن کا صحیح علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔اگر کوئی شخص رسول اللہ کی تعلیمات سے صرف نظر کر کے از خود قرآن سمجھنے کی کوشش کرے تو اس کی گم راہی کے امکانات روشن ہیں۔

جس طرح دنیاوی علوم وفنون کی تعلیم کے لئے استاد کی ضرورت ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ قرآن کو سمجھنے کے لئے استاد کی ضرورت ہے۔قرآن کو سمجھنے کے لئے صرف عربی زبان کا جان لینا کافی نہیں بل کہ اس کے لئے آپ کی تعلیم ضروری ہے۔اگر محض زبان کا جان لینا کسی فن کے حصول کے لئے یا کسی کتاب کو سمجھنے کے لئے کافی ہوتا، تو دنیا کے تمام علوم وفنون اس شخص کو حاصل ہو جاتے جو ان علوم وفنون اور کتابوں کی زبان جانتا۔مگر واقعتاً ایسا نہیں ہے۔بڑے فنون تو ایک طرف، معمولی فنون کے سمجھنے کے لئے بھی محض زبان دانی

۴۶۔بیہقی۔شعب الایمان: ج ۲، ص ۳۵۳

۴۷۔مشکوٰۃ۔دار الکتاب العلمیہ ۲۰۰۳ء: ج ۱، ص ۴۲۷، رقم ۲۲۸۶

کافی نہیں بل کہ استاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس طرح انگریزی زبان میں مہارت پیدا کر لینے اور ڈاکٹری یا انجینئرنگ کی کتابوں کا مطالعہ کر لینے سے کوئی شخص ڈاکٹر یا انجینئر نہیں بن جاتا اور استاد سے سیکھے بغیر محض کتاب پڑھ کر کوئی شخص لوہار، بڑھئی، درزی یا باورچی نہیں بن جاتا، اسی طرح محض عربی زبان پر عبور حاصل کر لینے سے کوئی شخص معارف قرآن کا ماہر نہیں بن سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو عہد رسالت میں ابوجہل، ابولہب، اور عتبہ جیسے لوگ جو عربی زبان وادب میں مہارت رکھتے تھے، قرآن کے ماہر سمجھے جاتے۔ لہٰذا قرآنی تعلیمات کا صحیح علم صرف رسول ہی کے ذریعے حاصل ہوسکتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں بھیجنے کا ایک مقصد یہ قرار دیا کہ وہ قرآن کریم کے معانی اور احکام کو تشریح کر کے بیان فرمائیں۔

۴۔ تعلیم حکمت

اللہ تعالیٰ کی بے شمار و بے حساب نعمتوں میں سے ایک خاص نعمت حکمت ہے جس کا اعلیٰ ترین درجہ صرف انبیاء علیہم السلام کو عطا کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں اس نعمت یعنی حکمت کا ذکر مختلف انبیا کے لئے آیا ہے۔ چناں چہ ارشاد ہے:

وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ(۴۸)

اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا، اور اللہ نے داؤد کو بادشاہت اور حکمت عطا کی اور جو کچھ وہ چاہتا تھا اس کو سکھایا۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ (۴۹)

اور جب اللہ نے تمام پیغمبروں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب حکمت دوں۔

فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ۝(۵۰)

سو بے شک ہم نے ابراہیم کے خاندان کو کتاب اور حکمت دی اور ہم نے ان کو عظیم سلطنت عطا فرمائی۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ(۵۱)

۴۸۔ البقرہ ۲۵۱

۴۹۔ آل عمران ۸۱

۵۰۔ النساء ۵۴

۵۱۔ لقمان ۱۲

اور ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی کہ اللہ کا شکر کرتے رہو۔

وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ۝ (۵۲)

اور ہم نے ان کی سلطنت کو مضبوط کر دیا تھا اور ہم نے ان کو حکمت اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت عطا کی تھی۔

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط (۵۳)

اور اللہ نے آپ پر کتاب و حکمت نازل فرمائی اور آپ کو وہ باتیں سکھائیں جو آپ نہیں جانتے تھے۔

حکمت کے بارے میں لغت اور قرآن کے ماہرین کی رائے۔

ابن منظور لکھتے ہیں:

والحکمة عبارة عن معرفة افضل الاشیاء بافضل العلوم (۵۴)۱۴۰۵ھ

اور حکمت بہترین چیز کو بہترین علم کے ذریعے جاننے کا نام ہے۔

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

والحکمة اصا بتها لحق بالعلم و العقل. فالحکمة من الله تعالیٰ معرفة الاشیاء وایجادها علی غایة الاحکام من الانسان معرفة الموجودات وفعل الخیرات (۵۵)

اور حکمت علم اور عقل کے ذریعے حق بات کو پہنچنا ہے۔ سو اللہ تعالیٰ کی حکمت چیزوں کو جاننا اور ان کو نہایت خوبی کے ساتھ پیدا کرنا ہے۔ اور انسان کی حکمت موجودات کو جاننا اور اچھے کاموں کا کرنا ہے۔

امام طبری کہتے ہیں:

الحکمة هی المعرفة بالدین و الفقه فیه (۵۶)

۵۲۔ص:۲۰

۵۳۔النساء۱۱۳

۵۴۔لسان العرب: ج ۱۲، ص ۱۴۰، مطبوعہ قم ۱۰ ایران

۵۵۔المفردات ص ۱۲۷، مطبوعہ مصر

۵۶۔تفسیر جامع البیان، الطبری: ج ۱، ص ۶۴۴

دین کی معرفت اور دین میں سمجھ کا نام حکمت ہے۔

ابن وہب کہتے ہیں کہ میں نے مالک سے پوچھا کہ حکمت کیا ہے؟ انہوں نے کہا:

المعرفة بالدين و الفقه في الدين و الاتباع له۔(۵۷)

دین کی معرفت اور دین میں سمجھ اور اس پر عمل کرنے کو حکمت کہتے ہیں

ابن وہب کہتے ہیں کہ ابن زید نے کہا:

الحكمة الدين الذی لایعرفونه الا به صلی الله علیه وسلم ایاها (۵۸)

حکمت وہ دینی احکام ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان (تشریح) سے معلوم ہوتے ہیں۔

ابن قتیبہ کہتے ہیں:

هی العلم و العمل و لا يكون الرجل حكيما حتی یجمعهما (۵۹)

علم اور اس کے مطابق عمل کرنے کا نام حکمت ہے اور کوئی شخص اس وقت تک حکیم نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ علم اور عمل دونوں کا جامع نہ ہو۔

امام شافعی کہتے ہیں کہ میں نے قرآن کے ان اہل علم سے جن کو میں پسند کرتا ہوں یہ سنا:

الحكمة سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم. (۶۰)

حکمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا نام ہے۔

اور ابوبکر درید کہتے ہیں:

كل كلمة وعظتك او زجرتك او دعتك الی مكرمة او نهتك عن قبيح فهی حكمة او حكم (۶۱)

ہر وہ کلمہ جو تمہیں کسی اچھے کام کی نصیحت کرے یا برے کام سے روکے یا کسی اعلیٰ اخلاق کی طرف بلائے یا کسی بداخلاقی سے روکے اسے حکمت یا حکم کہتے ہیں۔

۵۷۔ ایضاً

۵۸۔ ایضاً

۵۹۔ خطیب: ج۱، ص۱۷۰

۶۰۔ کتاب الرسالہ امام شافعی: ص۳۴

۶۱۔ خطیب: ج۱، ص۱۷۰

مذکورہ بالا اقوال ایک ہی مفہوم کی مختلف تعبیریں اور تفسیریں ہیں کہ عقل وفہم کے اس کامل ترین درجے کو حکمت کہتے ہیں جس سے صحیح وغلط اور خیر وشر کے درمیان تمیز وفیصلہ، ربانی ذوق ووجدان سے ہوتا ہے۔ پس حکمت یہ ہے کہ ہر چیز کے اسرار اور فائدے معلوم کئے جائیں۔ مقاصد بعثت سے متعلق مذکورہ آیات میں حکمت سے مراد احکام دین اور شریعت کے اسرار اور مقاصد ہیں، یعنی آپ لوگوں کو احکام دین کی حکمت اور اس میں مصلحتوں اور فائدوں کے جو پہلو ہیں ان کی تعلیم دیتے ہیں اور اپنی زبان اور عمل سے ان کی شرح وتفصیل بیان کرتے ہیں۔

عربی زبان کے اعتبار سے حکمت کے کئی معنی ہو سکتے ہیں، جیسا کہ ماہرین لغت وقرآن کے مذکورہ بالا اقوال سے ظاہر ہے۔ مگر ان آیات کی تفسیر میں صحابہ کرام اور تابعین نے حکمت کے معنی سنتِ رسول بیان کئے ہیں۔ لہٰذا جس طرح آپ کے ذمے قرآن کا سمجھانا اور اس کی تعلیم دینا فرض ہے، اسی طرح قرآن کے احکام کی حکمت اور مصلحتوں کی تعلیم بھی آپ کے فرائض منصبی میں داخل ہے۔ اسی لئے آپ نے فرمایا کہ میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں:

وانما بعثت معلما (۶۲)

بے شک میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ایک موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ لم یبعثنی معنتاً ولا متعنتاً ولکن بعثنی معلما میسرا (۶۳)

بلاشبہ اللہ نے نہ تو مجھے لوگوں کو مشقت میں ڈالنے والا بنا کر بھیجا ہے اور نہ سختی کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ بل کہ اس نے مجھے سہولت پہنچانے والا معلم بنا کر بھیجا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ تعلیم کی چند مثالیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رغم انفہ، ثم رغم انفہ، ثم رغم انفہ، قیل من یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے فرمایا: من ادرك والدیہ عند الکبر احد ھما او کلیھما، ثم لم یدخل الجنۃ (۶۴)

۶۲۔ دارمی قدیمی: کتب خانہ: ج۱،ص۱۱۱، رقم ۳۴۹۔ ابن ماجہ، بیروت: ج۱،ص ۹۸، رقم ۲۲۹
۶۳۔ مسلم: ج۲،ص ۳۹۳، رقم ۱۴۷۸
۶۴۔ مسلم: ج۴،ص ۱۶۵، رقم ۲۵۵۱

اس کی ناک خاک آلود ہو، پھر اس کی اناک خاک آلود ہو، پھر اس کی ناک خاک آلود ہو۔ صحابہ نے عرض کی کس کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے فرمایا جس نے اپنے والدین یا ان دونوں میں سے ایک کو بڑھاپے میں پایا اور پھر وہ جنت میں داخل نہ ہوا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی بات ارشاد فرماتے تو اس کو تین دفعہ کہتے، تاکہ لوگ آپ کی بات اچھی طرح سن لیں اور سمجھ لیں۔ (۶۵)

عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، آپ نے فرمایا:

الا انبئکم باکبر الکبائر؟ (ثلاثاً) قالو بلی یارسول اللہ۔ قال الاشراك باللہ وعقوق الوالدین و جلس و کان متکئاً فقال الاوقول الزور، (۶۶)

کیا میں تمہیں سب سے بڑا گناہ نہ بتاؤں، یہ بات آپ نے تین مرتبہ فرمائی۔ صحابہ نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا۔ کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا۔ اس وقت آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ پھر آپ سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا ہاں اور جھوٹی گواہی بھی۔

راوی کہتے ہیں کہ آپ نے اس جملے کو اتنی بار دہرایا کہ ہم (اپنے دل میں) کہنے لگے کہ کاش آپ خاموش ہو جاتے۔

ابوشریح کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

واللہ لا یؤ من، واللہ لا یؤمن، واللہ لا یؤمن، قیل ومن یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ قال الذی لا یامن جارہ بوائقہ (۶۷)

خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم وہ مومن نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا وہ شخص جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہو۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم راہ سوار تھا۔

۶۵۔ بخاری: ج۱، ص۳۴، رقم ۹۵

۶۶۔ بخاری: ج۲، ص۱۷۱، رقم ۲۶۵۴، مسلم: ج۱، ص۹۱ رقم ۸۷

۶۷۔ بخاری: ج۴، ص۹۰، رقم ۶۰۱۶

آپ نے آواز دی اے معاذ! میں نے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں۔ پھر آپ نے تین مرتبہ اسی طرح آواز دی (اور میں جواب دیتا رہا) پھر آپ نے فرمایا:

هل تدری ما احق الله علی العباد؟ قلت لا قال احق الله علی العباد ان یعبدوه ولا یشرکوبہٖ شیئاً، ثم سار ساعة فقال یا معاذ قلت لبیك و سعدیك قال هل تدری ماحق العباد علی الله اذا فعلوا ذلك؟ ان لا یعذبهم (۶۸)

کیا تمہیں معلوم ہے کہ بندوں پر اللہ کا کیا حق ہے؟ حضرت معاذ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کچھ بھی شریک نہ ٹھہرائیں۔ پھر کچھ دیر آپ چلتے رہے۔ پھر فرمایا اے معاذ میں نے عرض کیا میں حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ بندے جب ایسا کریں تو اللہ پر ان کا کیا حق ہے؟ پھر آپ نے خود ہی فرمایا کہ بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے کہ وہ ان کو عذاب نہ دے۔

حضرت معاویہ بن حکم سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا۔ اس دوران ایک شخص کو چھینک آئی۔ میں نے کہا یرحمک اللہ، تو لوگ مجھے گھورنے لگے۔ ہائے میری ماں! تمہیں کیا ہوگیا ہے۔ تم مجھے کیوں گھور رہے ہو؟ یہ سن کر وہ لوگ اپنی رانوں پر ہاتھ مارنے لگے۔ جب میں نے دیکھا کہ وہ مجھے چپ کرانا چاہتے ہیں تو میں خاموش ہوگیا، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کرلی تو آپ نے مجھے بلایا۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، نہ میں نے آپ سے پہلے اتنے اچھے طریقے سے تعلیم دینے والا دیکھا اور نہ آپ کے بعد۔ خدا کی قسم نہ آپ نے مجھے جھڑکا، نہ مارا اور نہ برا بھلا کہا بل کہ یہ فرمایا:

ان هذه الصلاة لا یصلح فیها شیٔ من کلام الناس، انما هو التسبیح و التکبیر و قراءة القرآن (۶۹)

نماز میں عام انسانی گفت گو نہیں کی جاسکتی۔ اس میں تو اللہ کی تسبیح، اس کی بڑائی اور قرآن کریم پڑھنا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کندھوں کو تھاما

۶۸۔ بخاری: ج ۴، ص ۱۵۳، رقم ۶۲۶۷

۶۹۔ مسلم: ج ۱، ص ۳۱۰، رقم ۵۳۷

اور فرمایا:

کن فی الدینا کانك غریب اور عابر سبیل (۷۰)

دنیا میں مسافر یا راستہ چلنے والے کی طرح رہو۔

ابن عمر کہا کرتے تھے کہ شام ہو جائے تو صبح کے منتظر نہ رہو اور صبح کے وقت شام کے منتظر نہ رہو (بل کہ جو نیک عمل کرنا ہو اسے اسی وقت کر لو) اپنی صحت کو مرض سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے غنیمت جانو۔

ابو معمر کہتے ہیں کہ میں نے ابن مسعود کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تشہد اس طرح سکھایا، جس طرح آپ قرآن کی سورت سکھایا کرتے تھے اور اس وقت میرے ہاتھ آپ کی ہتھیلیوں کے درمیان تھے۔ (۷۱)

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری مسجد میں آئے۔ آپ کے دست مبارک میں کھجور کی سوکھی ٹہنی تھی۔ آپ نے دیکھا کہ مسجد کی قبلے کی سمت والی دیوار میں تھوک ہے۔ آپ نے کھجور کی اس شاخ سے اسے کھرچ دیا اور ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

ایکم یحب ان یعرض اللہ عنہ؟ قال فخشعنا ثم قال ایکم یحب ان یعرض اللہ عنہ؟ قال فخشعنا، ثم قال ایکم یحب ان یعرض اللہ عنہ؟ قلنا لا اینا، یارسول اللہ! قال فان احدکم اذا قام یصلی، فان اللہ تبارك و تعالیٰ قبل وجھہ فلا یبصقن قبل وجھہ ولا عن یمینہ، ولیبصق عن یسارہ، تحت رجلہ الیسریٰ، فان عجلت بہ باردۃ فلیقل بثوبہ ھکذا - ثم طوی ثوبہ بعضہ علیٰ بعض ۔فقال ارونی عبیرا (۷۲)

تم میں سے کون پسند کرتا ہے کہ اللہ اس کی طرف سے منہ پھیر لے؟ حضرت جابر کہتے ہیں ہم ڈر گئے۔ آپ نے پھر فرمایا کہ تم سے کون پسند کرتا ہے کہ اللہ اس کی طرف سے منہ پھیر لے؟ حضرت جابر کہتے ہیں کہ ہم ڈر گئے۔ آپ نے پھر فرمایا کہ تم میں کون پسند کرتا ہے کہ اللہ اس کی طرف سے منہ پھیر لے؟ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم میں سے کوئی یہ نہیں چاہتا۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اللہ اس کے

۷۰۔ بخاری: ج ۴، ص ۱۹۰، رقم ۶۴۱۶

۷۱۔ بخاری: ج ۴، ص ۱۵۳، رقم ۶۲۶۵

۷۲۔ مسلم: ج ۴، ص ۳۰۳، رقم ۳۰۰۸

چہرے کی طرف ہوتا ہے۔ اس لئے چہرے کی جانب یا دائیں جانب نہیں تھوکنا چاہئے، بل کہ اپنے بائیں جانب یا بائیں پاؤں کے نیچے تھوکنا چاہئے۔ اگر بلغم جلدی نکلنا چاہے تو اپنے کپڑے میں اس طرح تھوک لے۔ پھر آپ نے کپڑے کو تہ کر کے دکھایا۔ پھر آپ نے عبیر نامی خوش بو طلب فرمائی تو محلے کا ایک نوجوان کھڑا ہوا اور دوڑتا ہوا اپنے گھر گیا اور خلوق (ایک خوش بو) لے کر آیا۔ آپ نے اسی لکڑی کے سرے پر خوش بو لگا کر اس کو تھوک کی جگہ پر لگا دیا۔

حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مثل القائم علی حدود اللہ والواقع فیها کمثل قوم استهموا علی سفینة، فاصا ب بعضهم اعلاها وبعضهم اسفلها، فکان الذین فی اسفلها اذا استقوا من الماء مروا علی من فوقهم فقالوا لو انا خرقنا فی نصیبنا خرقا ولم نؤ ذ من فوقنا. فان یتر کوهم وما ارادوا هلکوا جمیعا، وان اخذوا علی ایدیهم نجوا ونجوا جمیعا(۷۳)

اللہ کی حدود پر قائم رہنے والے (اطاعت گزار) اور اس میں مبتلا ہو جانے والے (اللہ کے احکام سے منحرف ہو جانے والے) کی مثال ان لوگوں جیسی ہے جنہوں نے کشتی کے سلسلے میں قرعہ اندازی کی، جس کے نتیجے میں بعض کو کشتی کے اوپر کے حصے میں جگہ ملی اور بعض کو نیچے کے حصے میں جگہ ملی۔ جو لوگ نیچے تھے ان کو (دریا سے) پانی لینے کے لئے ان لوگوں کے اوپر سے گزرنا پڑتا تھا جو (کشتی) کے اوپر کے حصے میں تھے۔ وہ کہنے لگے کہ اگر ہم اپنے حصے میں ایک سوراخ کر لیں تو اوپر والوں کو ہم سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ اب اگر اوپر والے نیچے والوں کو کشتی میں سوراخ کرنے سے نہ روکیں تو تمام کشتی والے ہلاک ہو جائیں گے اور اگر اوپر والے نیچے والوں کے ہاتھ پکڑ لیں تو وہ خود بھی ہلاک ہونے سے بچ جائیں گے اور کشتی کے سارے لوگ بچ جائیں گے۔

پس جو لوگ احکام دین پر قائم ہوں گے اگر وہ ان لوگوں کی اصلاح پر توجہ نہ دیں جو صحیح راستے سے ہٹے ہوئے ہیں تو اس خرابی کے اثرات ان بگڑے ہوئے لوگوں تک ہی محدود نہیں رہیں گے بل کہ یہ بگاڑ پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا اور آخر کار سب ہلاک و برباد ہو جائیں گے۔

۷۳۔ بخاری: ج ۲، ص ۱۲۶، رقم ۲۴۹۳

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مثل المؤمن الذی یقرء القرآن مثل الاترجة ریحها طیب و طعمها طیب، ومثل المؤمن الذی لایقرء القرآن مثل التمرة طعمها طیب ولا ریح لها. ومثل الفاجر الذی یقرء القرآن کمثل الریحانة ریحها طیب و طعمهامر، ومثل الفاجر الذی لایقرء القرآن کمثل الحنظلة طعمها مر ولا ریح لها، ومثل جلیس الصالح کمثل صاحب المسك ان لم یصبك منه شئ اصابك من ریحه، و مثل جلیس السوء کمثل صاحب الکیر ان لم یصبك من سواده (شراره) اصابك من دخانه، (۷۴)

جو مومن قرآن پڑھتا ہے اس کی مثال سنگترے کی ہے جس کی بو بھی اچھی ہے اور مزہ بھی اچھا۔ اور اس مومن کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا کھجور کی طرح ہے جس کا ذائقہ اچھا ہے اور اس میں بو نہیں ہے۔ اور اس فاجر کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے ریحان (کے پھول) کی ہے۔ جس کی بو تو اچھی ہوتی ہے مگر مزا کڑوا ہوتا ہے اور جو فاسق قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال اندرائن کی ہے۔ اس میں بو بھی نہیں اور اس کا مزہ بھی کڑوا ہوتا ہے۔ اور نیک ہم نشین کی مثال مشک والے کی ہے اگر مشک نہ ملے تو اس کی خوش بو تو ملے گی ہی، اور برے ہم نشین کی مثال بھٹی والے کی ہے کہ اگر اس کی چنگاریوں سے بچ گیا تو دھویں سے نہیں بچ سکے گا۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یاربا المنذر! اتدری ای آیة من کتاب الله معك اعظم؟ قال قلت الله ورسوله اعلم. قال یا اباالمنذر! اتدری ای آیة من کتاب الله معك اعظم؟ قال قلت، الله لا اله الا هو الحی القیوم قال فضرب فی صدری و قال والله لیهنك العلم ابالمنذر (۷۵)

اے ابو المنذر! کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ کی کتاب میں سے تمہارے پاس کون سی آیت سب سے عظیم ہے۔ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے پھر فرمایا اے ابو المنذر! کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ کی کتاب میں سے تمہارے پاس کون سی

۷۴۔ ابو داؤد: ج ۴، ص ۲۷۸، رقم ۴۸۲۹

۷۵۔ مسلم: ج ۱، ص ۴۴۹، رقم ۱۸۰

آیت سب سے عظیم ہے۔ حضرت کعب کہتے ہیں میں نے عرض کیا اللہ لا الہ الا ھو ا الحی القیوم (۷۶)

حضرت ابی کہتے ہیں کہ پھر آپ نے میرے سینے پر ہاتھ مار کر شاباش دی اور فرمایا اے ابوالمنذر خدا کی قسم تمہیں علم مبارک ہو۔

ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

المؤ من للمؤ من کالبنیان، یشد بعضہ بعضاً و شبك بین اصابعہ (۷۷)

ایک مومن دوسرے مومن کے لئے عمارت کی مانند ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈال کر بتایا۔

اسی طرح آپ نے یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

وانا کا فِل الیتیم فی الجنۃ ھکذا واشار بالسبابۃ والو سطی و فرج بینھما شیئاً۔(۷۸)

میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح یعنی دونوں انگلیوں کی طرح قریب ہوں گے۔ آپ نے یہ بات شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کے درمیان کچھ فاصلہ رکھتے ہوئے فرمائی۔

عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کیسے کیا جاتا ہے؟ پھر آپ نے پانی کا برتن منگوایا اور اپنے دونوں ہاتھ تین مرتبہ دھوئے، پھر تین مرتبہ چہرہ دھویا، پھر تین مرتبہ بازو دھوئے۔ پھر سر کا مسح کیا اور شہادت کی انگلیوں کو اپنے کانوں کے اندر ڈالا اور انگوٹھوں سے کان کے باہر کے حصوں کا مسح کیا۔ پھر دونوں پاؤں تین تین مرتبہ دھوئے۔ پھر فرمایا:

ھکذا، الوضوء، فمن زاد علی ھذا اونقص فقد اساء و ظلم او ظلم و اساء(۷۹)

۷۶۔ یعنی آیت الکرسی) البقرہ ۲۵۵

۷۷۔ بخاری: ج ۲، ص ۱۱۳، رقم ۲۴۴۶

۷۸۔ بخاری: ج ۳، ص ۴۲۵، رقم ۵۳۰۴

۷۹۔ ابوداؤد: ج ا ص ۶۱، رقم ۱۳۵

وضواس طرح کیا جاتا ہے۔جس نے اس سے زیادہ یا کم کیا تو اس نے برا کیا اور حد سے گزرا۔

سلیمان بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر نماز کے اوقات کے بارے میں سوال کیا۔آپ نے فرمایا کہ دو دن ہمارے ساتھ نماز پڑھو (اول و آخری اوقات معلوم ہو جائیں گے۔پھر آپ نے حضرت بلال کو حکم دیا تو انہوں نے فجر ہوتے ہی تکبیر کہی اور آپ نے فجر کی نماز پڑھی۔پھر سورج ڈھلنے پر حکم دیا اور ظہر کی نماز پڑھی۔پھر آپ ﷺ نے ان کو اس وقت حکم دیا جب آفتاب ابھی سفید تھا (اس میں زردی نہیں آئی تھی) اور عصر کی نماز پڑھی۔پھر جب شفق غائب ہو گئی تو عشا کی نماز پڑھی۔پھر دوسرے دن ان کو حکم دیا تو روشنی پھیلنے پر فجر پڑھی اور ظہر کو بہت ہی ٹھنڈے وقت پڑھا۔پھر عصر کی نماز پڑھی اور آفتاب ابھی تھا لیکن پہلے دن سے تاخیر کی۔پھر شفق غائب ہونے سے پہلے مغرب کی نماز پڑھی اور تہائی رات گزرنے پر عشا کی نماز پڑھی۔پھر فرمایا کہ وہ شخص کہاں ہے جو نماز کے اوقات پوچھ رہا تھا۔آپ نے فرمایا کہ تمہارے نماز کے اوقات ان اوقات کے درمیان میں ہیں۔(۸۰)

حضرت جریر بن عبداللہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھا پھر فرمایا:

> اما انکم سَتَرَوْنَ ربکم کما ترون هذا، لاتضامون اولاتضاهون فی رؤیته، فان استطعتم ان لا تغلبوا علی صلاة قبل طلوع الشمس و قبل غروبها فافعلوا، ثم قال وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس و قبل غروبها (۸۱)
>
> بلاشبہ تم اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے جیسے اس (چاند) کو دیکھ رہے ہو۔اللہ کو دیکھنے میں کوئی مزاحمت نہیں ہوگی یا یہ فرمایا کہ تمہیں اس کی رویت میں شبہ نہ ہوگا۔اگر تمہیں قدرت ہو کہ سورج کے طلوع اور غروب ہونے سے پہلے یعنی فجر اور عصر کی نمازیں قضا نہ ہونے پائیں تو ایسا ضرور کرو۔پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔(اور اپنے رب کی حمد کی تسبیح پڑھ سورج نکلنے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے)

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص اونٹ پر سوار آیا اور اونٹ کو مسجد میں باندھ دیا۔پھر اس نے صحابہ سے

۸۰۔نسائی: کتاب المواقیت، باب اول وقت المغرب

۸۱۔بخاری: ج ۱،ص ۱۴۲، رقم ۵۷۳

پوچھا کہ تم میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے درمیان تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ ہم نے جواب دیا کہ یہ صاحب ہیں جو سفید رنگ ہیں اور تکیہ لگائے ہوئے ہیں۔ اس شخص نے کہا کہ اے عبدالمطلب کے بیٹے۔ آپ نے اس شخص سے فرمایا کہو میں جواب دوں گا۔ اس نے کہا کہ میں آپ سے کچھ پوچھنے والا ہوں اور اپنے سوالوں میں کچھ شدت سے کام لوں گا تو آپ مجھ پر ناراض نہ ہونا۔ آپ نے فرمایا جو پوچھنا چاہتے ہو پوچھو۔ اس نے کہا کہ میں آپ کو اپنے رب اور آپ سے پہلے لوگوں کے رب کی قسم دیتا ہوں۔ کیا اللہ ہی نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر اس نے کہا کہ میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ کیا اللہ نے آپ کو دن اور رات میں پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں۔ کیا اللہ نے سال میں اس مہینے (رمضان) کے روزے رکھنے کا حکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ اس نے کہا کہ میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا اللہ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ ہمارے مال داروں سے صدقہ لے کر ہمارے غربا میں تقسیم کریں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔

پھر اس نے کہا کہ میں ان احکام پر ایمان لایا جو آپ اللہ کی طرف سے لے کر آئے ہیں اور میں اپنی قوم جو پیچھے رہ گئی ہے کا نمائندہ اور ثعلبہ کا بیٹا ضمام ہوں اور بنی سعد بن بکر کے بھائیوں میں سے ہوں۔ (۸۲)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا:

کیف تقضی اذا عرض لك قضاءٌ؟ قال اقضی بکتاب الله، قال فان لم تجد فی کتاب الله؟ قال فبسنة رسول الله، قال فان لم تجد فی سنة رسول الله ولا فی کتاب الله؟ قال اجتهد برأیی ولا آلو، فضرب رسول الله صلی الله علیه وسلم صدره فقال وقال الحمد لله الذی وفق رسول رسول الله لما یرضی رسول الله (۸۳)

جب تمہارے پاس کوئی مقدمہ فیصلے کے لئے آئے گا تو تم اس کا فیصلہ کس طرح کرو گے؟ حضرت معاذ نے عرض کیا کہ اللہ کی کتاب کے ذریعے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم کتاب اللہ میں نہ پاؤ؟ حضرت معاذ نے عرض کیا رسول اللہ کی سنت کے ذریعے۔ آپ نے فرمایا کہ

۸۲۔ بخاری: ج ۱، ص ۲۴، رقم ۶۳

۸۳۔ ابوداؤد: ج ۳، ص ۲۹۵، رقم ۳۵۹۲

اگر تم نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں پاؤ اور نہ کتاب اللہ میں؟ حضرت معاذ نے عرض کیا پھر اپنی عقل سے پوری طرح غور وفکر کر کے فیصلہ کروں گا اور اس میں کوتاہی نہ کروں گا۔ پھر آپ نے حضرت معاذ کا سینہ تھپتھپاتے ہوئے ان کو شاباش دی اور فرمایا اللہ کا شکر ہے جس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرستادے کو اس چیز کی توفیق دی جس سے اس کا رسول راضی اور خوش ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے بارے میں سوال کیا اور کہا کہ قیامت کب آئے گی؟

آپ نے فرمایا:

وماذا اعددت لها؟ قال لاشئ الاانی احب الله ورسوله۔فقال انت مع من احببت،قال انس فما فرحنا بشئٍ فرحنا بقول النبی صلی الله علیه وسلم انت مع من احببت(۸۴)

اور تو نے قیامت کے لئے کیا تیاری کی ہے۔انہوں نے کہا کہ کچھ نہیں سوائے اس کے کہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہوں آپ نے فرمایا کہ تو ان ہی کے ساتھ ہوگا جن سے محبت رکھتا ہے۔حضرت انس فرماتے ہیں کہ ہمیں کبھی کسی بات سے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی آپ کے اس ارشاد سے ہوئی کہ تمہارا حشر ان ہی کے ساتھ ہوگا جن سے تمہیں محبت ہے۔

۵۔تذکیر

انبیا کی بعثت کا ایک مقصد اس ازلی عہد و پیمان بندگی کی یاد دہانی ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام بنی آدم سے عالم ارواح میں لیا تھا۔چناں چہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ (۸۵)

۸۴۔ بخاری: ج ۲، ص ۴۶۰، رقم ۳۶۸۸۔ مسلم: ج ۴، ص ۲۰۲، رقم ۲۶۳۹

۸۵۔ الاعراف: ۱۷۲، ۱۷۳

اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور انہی کو ان پر گواہ بنایا (اور کہا) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا ہاں، ہم گواہ ہیں، یہ گواہی اس لئے لی تا کہ تم قیامت کے روز یہ نہ کہو کہ تمہیں تو اس کی خبر نہ تھی۔ یا یہ کہنے لگو کہ ہمارے باپ دادانے تو ہم سے پہلے شرک کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد ان کی نسل میں ہوئے۔ کیا تو ہمیں اس کام پر ہلاک کرتا ہے جو اہل باطل کرتے رہے۔

جمہور مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا کہ یہ عہد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تمام اولاد سے لیا تھا جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھی۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے تمام اولاد آدم کو نکالا جو چیونٹیوں کی طرح نکل پڑے۔ پھر ان کو عقل و گویائی عطا کر کے کہا کہ الست بربکم؟ (کیا میں تمہارا خدا نہیں ہوں؟) سب نے کہا کیوں نہیں، بے شک تو ہمارا پروردگار ہے۔ ہم اس بات پر گواہ ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ تو ہی ہمارا پروردگار ہے، تیرے سوا ہمارا کوئی رب نہیں۔ چوں کہ یہ عہد عالم اروح میں لیا گیا تھا، دنیا میں آنے کے بعد عرصہ دراز گزر جانے کے باعث اکثر لوگ اس سے غافل ہو گئے، اس لئے اللہ نے اس عہد کی یاددہانی کے لئے انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، تا کہ قیامت کے دن لوگ اپنی غفلت و بھول کا عذر نہ کر سکیں یا یہ کہنے لگیں کہ شرک و بت پرستی تو ہم سے پہلے ہمارے بڑوں نے اختیار کی تھی۔ ہم تو ان کی اولاد تھے اور ان کے بعد پیدا ہوئے۔ صحیح و غلط اور اچھے یا برے کو نہیں جانتے تھے۔ اس لئے جو کچھ بڑوں کو کرتے ہوئے دیکھا ہم نے بھی اسی کو اختیار کر لیا۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ تو رب العالمین ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں۔ پس کیا تو ہمیں دوزخ میں ڈال کر بڑوں کے اس جرم کی سزا دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ دوسروں کے فعل کی سزا نہیں بل کہ یہ تو تمہاری غفلت کی سزا ہے۔ میں نے پیغمبروں کے ذریعے تمہیں یہ عہد یاد دلادیا تھا۔ نیز اس ازلی اقرار سے انسان کے اندر ایسی بصیرت و صلاحیت پیدا ہوگئی تھی کہ اگر تم ذرا بھی غور و فکر سے کام لیتے تو یہ سمجھنا کچھ مشکل نہ تھا کہ پتھر کے جن بتوں کو تم نے اپنے ہاتھوں سے تراشا تھا یا آگ، پانی، درخت یا انسان، ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں جس کو کوئی انسان اپنا رب اور پروردگار کہہ سکے۔ (۸۶)

اور ارشاد ہے:

فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى۔ (۸۷)

۸۶۔ آلوسی۔ روح المعانی: ج ۹، ص ۱۰۰۔۱۰۳

۸۷۔ الاعلیٰ: ۹

اگر نصیحت کرنا فائدہ دے تو آپ نصیحت کرتے رہئے۔

فَذَكِّرْ قف ۖ إِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ (۸۸)

سو آپ تو یاد دہانی کراتے رہئے، بے شک آپ کا کام یاد دہانی کرانا ہی ہے۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! جب یہ لوگ ان واضح دلائل کے باوجود غور نہیں کرتے جو قرآن کریم میں جگہ جگہ بیان کئے گئے ہیں تو آپ کو بھی ان منکرین ومکذبین کے لئے زیادہ پریشان اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، بل کہ آپ تو ان کو نصیحت اور یاد دہانی کراتے رہئے، کیوں کہ آپ تو نصیحت کرنے اور سمجھانے ہی کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ اگر یہ نہیں سمجھتے تو آپ زبردستی ان کے دلوں میں ایمان پیدا نہیں کر سکتے اور نہ انہیں ایمان لانے پر مجبور کر سکتے ہیں اور نہ ان کے دلوں کو بدل سکتے ہیں۔ بس آپ تو وعظ و تذکیر کے ذریعے لوگوں کو نفع پہنچاتے رہئے۔ آپ کا کام نصیحت کر دینا اور لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ قف فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۝ (۸۹)

اور آپ ان پر زبردستی کرنے والے نہیں۔ آپ تو اس شخص کو قرآن کے ذریعے نصیحت کرتے رہئے جو میری وعید سے ڈرتا ہو۔

وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (۹۰)

اور آپ تو نصیحت کرتے رہئے یقیناً یہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دے گی۔

اور ان آیتوں میں آپ کو تاکیداً کہا گیا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) منکرین ومکذبین کی باتوں پر نہ جایئے اور نہ آپ ان کو بے ہودہ باتوں سے روک سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے نہ تو آپ کاہن ہیں کہ کوئی جن آ کر آپ کو کچھ بتاتا ہو اور نہ مجنون ہیں۔ آپ کا کام تو نصیحت کرنا ہے سو آپ قرآن کے ذریعے ان کو وعظ ونصیحت کرتے رہئے۔ ان میں سے جن لوگوں کے دلوں میں ایمان کی قبولیت کا مادہ ہے وہ ایک نہ ایک دن راہ راست پر آ جائیں گے۔

۶۔ انذار وتبشیر

انبیا کے فرائض منصبی میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنی امتوں کو اللہ کے احکام، اور اس کے اوامر ونواہی

۸۸۔ الغاشیۃ: ۲۱

۸۹۔ ق: ۴۵

۹۰۔ الذریٰت: ۵۵

سے آگاہ کریں۔ جو لوگ اللہ پر ایمان لائیں، اس کے احکام پر عمل کریں، اعمال صالحہ کرتے رہیں اور نواہی سے بچتے رہیں، ان کو انعام خداوندی کی خوش خبری سنائیں اور جو اللہ کی نافرمانی پر قائم رہیں اور پیغمبر کی بات نہ مانیں، ان کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں۔ اسی کا نام انذار وتبشیر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اتمام حجت کے لئے قرآن کریم میں فرمایا:

رُسُلاً مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (۹۱)

ہم نے رسولوں کو خوش خبری دینے اور خبردار کرنے کے لئے بھیجا تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے سامنے کوئی عذر باقی نہ رہے۔

رسولوں کو بھیجنے کی غرض یہ ہے کہ وہ لوگوں کو احکام خداوندی سے آگاہ کریں، فرماں برداروں کو انعام خداوندی کی خوش خبری سنائیں اور نافرمانوں کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں تاکہ قیامت کے دن لوگ اللہ کے سامنے عذر نہ کرسکیں کہ ہمیں آپ کے احکام اور مرضی کا علم نہ تھا۔ اگر ہمارے پاس آپ کے پیغمبر آتے تو ہم ان کا حکم ضرور مانتے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۝ (۹۲)

اور کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔

اورارشاد ہے:

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ (۹۳)

بے شک آپ کا کام تو خبردار کردینا ہے اور ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوا ہے۔

اورارشاد ہے:

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ (۹۴)

اور ہر امت کے لئے ایک رسول ہوا ہے، پھر جب ان کا رسول آجاتا ہے تو انصاف کے

۹۱۔ النساء ۱۶۵

۹۲۔ الفاطر ۲۴

۹۳۔ الرعد ۷

۹۴۔ یونس ۴۷

ساتھ ان کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا۔

ہر امت اور ہر قوم کے لئے ایک رسول ہوا ہے جو ان کو اللہ کے احکام پہنچاتا ہے۔ آپ بھی لوگوں کے لئے ہادی اور رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام بھی لوگوں کی رہنمائی کرنا اور ان کو اللہ کی نافرمانی کے انجام سے ڈرانا ہے۔ اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ جب اس کا رسول معجزات اور دلائل اور اس کے احکام لے کر اپنی امت کے پاس آجاتا ہے۔ اور وہ ان کو اللہ کا پیغام پہنچا دیتا ہے اور پھر بھی وہ نہ مانیں، رسول کو جھوٹا قرار دیں تو اللہ اپنے رسول اور اس کی امت کے درمیان فیصلہ کر دیتا ہے۔ رسول کی تکذیب کرنے والوں ہلاک کر دیتا ہے اور مومنوں اور رسول کو محفوظ رکھتا ہے۔ اللہ کا یہ فیصلہ انصاف پر مبنی ہوتا ہے۔ اس سے کسی پر ظلم وزیادتی نہیں ہوتی۔ کیوں کہ حجت پوری ہونے کے بعد مواخذہ ظلم نہیں بل کہ عین عدل ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت پر شک وشبہ کرنے والوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ۚ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ (۹۵)

آپ ان سے پوچھئے کہ کس کی گواہی سب سے بڑی ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے اور یہ قران مجھ پر اس لئے وحی کیا گیا ہے تاکہ میں تمہیں اور جس کو یہ پہنچے اس کے ذریعے خبردار کروں۔ کیا تم اس کی گواہی دے سکتے ہو کہ اللہ کے ساتھ کچھ اور معبود بھی ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں اس کی گواہی نہیں دیتا۔ آپ کہہ دیجئے کہ بس وہ تو ایک ہی معبود ہے اور بے شک میں ان سے بے زار ہوں جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو۔

جو لوگ آپ کی نبوت ورسالت پر شہادت وگواہی طلب کرتے ہیں، آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میری نبوت ورسالت کا گواہ تو اللہ ہے، جس سے بڑھ کر کوئی گواہ نہیں، کیوں کہ وہی ہر قسم کے نفع ونقصان کا مالک ہے اور تمام بندوں پر غالب وقاہر اور ذرے ذرے سے باخبر ہے۔ اسی نے مجھے دلائل نبوت اور براہین رسالت دے کر بھیجا ہے۔ یہ قرآن جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور وحی کے ذریعے مجھ پر نازل کیا گیا

۹۵۔ الانعام ۱۹

ہے، یہ بھی میری نبوت کا نا قابل تردید گواہ ہے۔ اگر میں اللہ کا رسول نہ ہوتا تو وہ مجھ پر اپنا کلام نازل نہ فرماتا اور یہ قرآن جو رشد و ہدایت کے تمام علوم کا جامع ہے مجھ پر اس لئے نازل کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعے میں تمہیں اور جس کو یہ پہنچے، عذاب الٰہی سے خبردار کروں، جو لوگ توحید و رسالت کا انکار کرتے ہیں ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا۔ اے مشرکین مکہ! کیا تم اس شہادت کبریٰ کے بعد بھی یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور بھی معبود ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو ایسی گواہی نہیں دے سکتا کیوں کہ اللہ تو واحد و یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور میں اس چیز سے بے زار ہوں جس کو تم اللہ کے ساتھ شریک کرتے ہو۔

اور ارشاد ہے:

كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝ (۹۶)

یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں ایک حکیم اور باخبر کی طرف سے مستحکم کی گئی ہیں اور پھر مفصل بیان کی گئی ہیں۔ یہ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اس اللہ کی طرف سے میں تمہیں خبردار کرنے والا اور خوش خبری سنانے والا ہوں۔

یہ قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیات کو ایسا محکم و مضبوط بنایا گیا ہے کہ ان میں کسی لفظی و معنوی، غلطی یا فساد کا احتمال نہیں۔ اس کے امور ایسے ہیں کہ ہر عقل سلیم اور فہم مستقیم ان کو تسلیم کرتی ہے۔ یہ کتاب ایک ایسی ہستی کی طرف سے آئی ہے جو حکیم بھی ہے اور باخبر بھی۔ وہ ذات ایسی ہے جس کے ہر فعل میں اتنی حکمتیں ہیں کہ انسان کے لئے ان کا احاطہ کرنا محال ہے۔ وہ کائنات کے ذرے ذرے کے موجودہ اور آئندہ پیش آنے والے حالات سے پوری طرح باخبر ہے۔ وہ ان سب پر نظر کر کے احکام نازل فرماتا ہے۔

قرآن حکیم میں جو مضامین بیان کئے گئے ہیں ان میں سب سے اہم اور مقدم یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت و پرستش نہ کی جائے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ سارے جہاں کے لوگوں کو کہہ دیجئے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اپنی ناجائز خواہشات کی اتباع کرنے والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراتا ہوں اور اس کی اطاعت و فرماں برداری کرنے والوں کو آخرت کی نعمتوں اور دونوں عالم کی راحتوں کی خوش خبری دیتا ہوں۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

۹۶۔ ہود ۱،۲

یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآئَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَاجَآءَ نَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍز فَقَدْ جَآءَ كُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ط وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ O (۹۷)

اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا وہ رسول آچکا جو رسولوں کے ایک وقفے کے بعد تمہیں (ہمارے احکام) صاف صاف بتا تا ہے تاکہ تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس نہ تو کوئی خوش خبری دینے والا آیا اور نہ کوئی ڈرانے والا پس اب تمہارے پاس خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں نے تم سب کی طرف اپنا رسول بھیج دیا ہے جو خاتم الانبیا ہے۔ ان کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔ آپ کی بعثت ایسے وقت ہوئی جب رسولوں کی تعلیمات مٹ چکی تھیں اور دنیا توحید کو بھلا چکی تھی۔ جگہ جگہ مخلوق کی پرستش ہو رہی تھی، مثلاً سورج، چاند، بت اور آگ وغیرہ۔ کفر کی تاریکی ایمان کے نور پر چھا چکی تھی۔ دنیا کا چپہ چپہ سرکشی اور طغیانی کی زد میں تھا۔ عدل وانصاف فنا ہو چکا تھا۔ علم اور دین کی روشنی ناپید تھی۔ ہر طرف جہالت کا دور دورہ تھا۔ چند لوگوں کے سوا زمین پر اللہ کا نام لینے والا کوئی نہ تھا۔

اس تاریک ترین زمانے میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ کے ذریعے لوگوں کو سرکشی اور گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر راہ راست پر لگایا اور ایک روشن اور جامع شریعت عطا فرمائی، تاکہ لوگوں کے لئے یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ ان کے پاس کوئی نبی نہیں آیا، نہ ان کو کسی نے خوش خبری سنائی اور نہ کسی نے خبردار کیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فرماں برداروں کو ثواب اور نافرمانوں کو عذاب دینے پر قادر ہے۔

اور ارشاد ہے:

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ط وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا O (۹۸)

اور ہم نے اس قرآن کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور وہ حق ہی کے ساتھ نازل ہوا اور ہم نے آپ کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ

۹۷۔ المائدہ:۱۹

۹۸۔ بنی اسرائیل:۱۰۵

الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا لا ۝ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ (۹۹)

بے شک یہ قرآن ایسا راستہ بتاتا ہے جو سب سے سیدھا اور ایمان والوں کو جو نیک کام کرتے ہیں خوش خبری سناتا ہے کہ بے شک ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے اور جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

قرآن کریم حق کے ساتھ نازل ہوا ہے اور یہ سراسر حق ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے علم کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ اس کی حقانیت پر وہ خود بھی شاہد ہے اور فرشتے بھی گواہ ہیں۔ جس طرح حق والے نے اس کو حق کے ساتھ نازل کیا اسی طرح حق کے ساتھ یہ آپ تک پہنچا ہے۔ نہ راستے میں کوئی باطل اس میں شامل ہوا اور نہ باطل کی یہ شان کہ وہ اس کے ساتھ مخلوط ہو سکے۔ یہ کمی بیشی اور تغیر و تبدل سے بالکل محفوظ ہے۔ آپ کا کام تو مومنوں کو خوش خبری سنانا اور کافروں کو ڈرانا ہے۔ (۱۰۰)

بلا شبہ یہ قرآن ایسے طریقے اور راستے کی طرف رہ نمائی کرتا ہے جو منزل مقصود تک پہنچانے میں قریب ہو، آسان اور خطرات سے خالی ہو۔ جو مومن نیک کام کرتے ہیں ان کو یہ قرآن بڑے اجر یعنی جنت کی بشارت دیتا ہے۔ یہ قرآن اس بات کی بھی خبر دیتا ہے کہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔

قرآن کریم میں انذار و تبشیر کا ذکر کثرت سے آیا ہے، یہاں انذار و تبشیر کا مطلب واضح کرنے کے لئے محض چند آیتوں کی مختصر تشریح پیش کی گئی ہے۔

۷۔ تبیین کتاب

آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیا ہیں، اس لئے آپ کی نبوت و رسالت قیامت تک قائم رہے گی۔ آپ پر جو کتاب یعنی قرآن نازل ہوا ہے وہ سابقہ تمام آسمانی کتابوں کا جامع ہے۔ یہ قیامت تک کسی ترمیم و تنسیخ اور تحریف و تبدل سے محفوظ ہے، کیوں کہ اللہ نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (۱۰۱)

۹۹۔ بنی اسرائیل: ۹، ۱۰

۱۰۰۔ ابن التفسیر: ج ۳، ص ۶۸

۱۰۱۔ الحجر ۹

بے شک ہم ہی نے ذکر (قرآن) اتارا ہے اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اب قیامت تک نہ کوئی نیا پیغمبر آئے گا اور نہ کوئی نئی شریعت۔ بس آپ ہی کی شریعت قیامت تک نافذ رہے گی جو ہر اعتبار سے جامع، کامل اور مکمل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ (۱۰۲)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو تین خصوصی انعام عطا فرمانے کی خبر دی ہے۔

۱۔ اکمالِ دین

یعنی دین حق کی تمام حدود اور فرائض و احکام اور آداب مکمل کر دیے گئے۔ اب اس میں نہ کسی اضافے کی ضرورت باقی ہے اور نہ کمی کا احتمال ہے۔ اسی لئے اس آیت کے نزول کے بعد احکام اسلام (حلال و حرام، فرائض و سنن وغیرہ) میں سے کوئی نیا حکم نازل نہیں ہوا۔ البتہ اس آیت کے بعد جو چند آیتیں نازل ہوئیں، ان میں یا تو ترغیب و ترہیب کے مضامین ہیں یا جو احکام پہلے نازل ہو چکے تھے ان کی تاکید ہے۔

ہر نبی اور رسول کا دین اس کے زمانے کے اعتبار سے کامل و مکمل تھا مگر اللہ کے علم میں یہ بات تھی کہ جو دین ایک نبی کے زمانے اور اس کی قوم کے لئے مکمل ہے وہ اس کے بعد کے زمانوں اور قوموں کے لئے مکمل نہ ہوگا۔ لہٰذا بعد والوں کے لئے اس دین کو منسوخ کر کے دوسرا دین اور شریعت نافذ کی جائے گی۔ اس کے برعکس آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ آپ پر نبوت ختم ہوگئی۔ اب تا قیام قیامت نہ تو کوئی نبی آئے گا اور نہ کوئی شریعت، شریعت محمدی ہی قیامت تک نافذ العمل رہے گی۔ لہٰذا یہ شریعت ہر لحاظ سے کامل و مکمل ہے۔ یہ کسی زمانے، قوم، ملک اور خطے کے ساتھ مخصوص نہیں بل کہ یہ ہر قوم، ہر ملک، ہر خطے اور ہر زمانے کے لئے ہے۔

۱۰۲۔ المائدۃ ۳

۲۔ اتمام نعمت: اس سے مراد مسلمانوں کا غلبہ اور عروج اور ان کے مخالفین کا مغلوب و مفتوح ہونا ہے، جس کا ظہور فتح مکہ سے اور حجۃ الوداع کے سال حج میں کسی مشرک کے شریک نہ ہونے کے ذریعے ہوا۔ اس طرح علمی غلبۂ اسلام کو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں حاصل ہوا، وہ قیامت تک کے لئے ہے۔ اس پورے عرصے میں ہر طرح کے الزامات کے باوجود اسلام کے متفقہ عقائد اور اصول ہر طرح کے دلائل کی روشنی میں واضح اور روشن رہے ہیں، جن کو جھٹلایا نہیں جا سکا۔

۳۔ دین اسلام کا انتخاب: اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے دین اسلام کو منتخب فرمالیا ہے۔ یہ دین ہر حیثیت سے کامل و مکمل ہے اور اس پر عمل پیرا ہونے میں نجات اخروی کا انحصار ہے۔ (۱۰۳)

جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، اسی طرح اس نے قرآن کی تفسیر و تشریح کا ذمہ بھی لیا ہے۔ چناں چہ ارشاد ہے:

لَاتُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝ (۱۰۴)

آپ اس (قرآن) کو جلدی یاد کرنے کے لئے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔ کیوں کہ اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھوانا ہمارے ذمے ہے۔ جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو آپ بھی اس کو اسی طرح پڑھیں۔ اس کو کھول کر بیان کرادینا ہمارے ذمے ہے۔

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! جب فرشتہ آپ کے پاس وحی لے کر آئے تو اس کو یاد کرنے کے لئے آپ کو جلدی کرنے اور محنت و مشقت اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ اس وقت آپ بس سنتے رہیں۔ جب وحی مکمل ہو جائے تب ان آیات کو پڑھیں، تاکہ وہ آپ کے ذہن نشین ہو جائیں۔ بلاشبہ اس قرآن کو آپ کے سینے میں جمع کرنا، پھر آپ کی زبان پر اس کا جاری کردینا اور اس کی تفسیر و بیان اور اس کے معنی و مطالب واضح کرانا سب ہمارے ذمے ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ (۱۰۵)

اور اے نبی! آپ قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیجئے، جب تک اس کی پوری وحی آپ کی طرف نازل نہ ہو جائے۔

۱۰۳۔ مفتی محمد شفیع معارف القرآن ۳۲۔۳۸/۳

۱۰۴۔ القیمۃ ۱۶۔۱۹

۱۰۵۔ طٰہٰ ۱۱۴

قرآن کریم کی تفسیر وتشریح دوطرح سے ہوئی ہے:۱۔قرآن کی بہت سی آیتوں کی تفسیر وتشریح خود قرآن میں دوسرے مقامات پر موجود ہے۔

۲۔جن آیتوں کی تفسیر قرآن نے نہیں کی ان کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریر اور عمل کے ذریعے فرمادی جو تواتر سے منقول اور احادیث وسنن کے مستند مجموعوں میں موجود ومحفوظ ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی جو تفسیر وتشریح فرمائی وہ اپنی طرف سے نہیں بل کہ اللہ کے حکم اور اختیار سے فرمائی۔ چناں چہ ارشاد ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ (۱۰۶)

اور ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے تاکہ آپ وہ احکام لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کردیں جوان کی طرف اتارے گئے ہیں اور تاکہ وہ غور کریں۔

چوں کہ قرآن کی تفسیر وتبیین کا منصب اللہ نے آپ کو عطا فرمایا ہے جیسا کہ مذکورہ آیات سے ظاہر ہے اس لئے آپ کی طرف سے بیان کردہ اس کی تفسیر وتشریح کی پیروی اور اتباع بھی اللہ ہی کی پیروی ہوگی۔

تبیین کے معنیٰ اظہار واعلان اور توضیح وتشریح کے ہیں۔قرآن کریم میں یہ لفظ دونوں معنی میں آیا ہے جیسے ارشاد ہے:

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ (۱۰۷)

اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا رسول آچکا جو تمہیں بہت سی وہ باتیں صاف صاف بتاتا ہے جو تم کتاب میں سے چھپاتے تھے اور وہ بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو مخاطب کرکے فرمایا کہ دیکھو ہمارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نبوت و رسالت کے دلائل ومعجزات اور دین حق کے ساتھ تمہارے پاس آگئے ہیں۔ایک عرصے سے تمہیں ان کا انتظار تھا، ان کی صفات اور بشارتیں تمہاری کتابوں توریت وانجیل میں موجود ہیں۔ان کی نبوت ورسالت کے دلائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ امّی ہونے کے باوجود تمہاری کتابوں کے مخفی علوم تمہارے سامنے اس طرح حرف بہ حرف صحیح بیان کرتے ہیں کہ تمہیں اس کے انکار کی مجال نہیں، مثلاً رجم اور قصاص کے وہ احکام جو تم چھپاتے تھے۔ظاہر ہے کہ کسی ان پڑھ کا ان تمام علوم واحوال کو تمہاری کتابوں سے حاصل کرنا

۱۰۶۔النحل ۴۴

۱۰۷۔المائدہ ۱۵

محال ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کو یہ علوم واحوال وحی الٰہی کے ذریعے بتائے گئے ہیں۔ ان کے حلم و بردباری کا یہ حال ہے کہ وہ تمہاری بہت سی نامناسب و ناگوار باتوں اور احوال وواقعات سے درگزر کرتے ہیں اور علم ہونے کے باوجود ان کے اظہار سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (۱۰۸)

اور ہم نے آپ پر اس لئے کتاب اتاری ہے تاکہ جن چیزوں میں وہ اختلاف کر رہے ہیں آپ ان کو صاف صاف بیان کر دیں اور (یہ کتاب) مومنوں کے لئے ہدایت ورحمت ہے۔

۸۔ اراءت

اللہ تعالیٰ نے جو علم ومعرفت، نور بصیرت، معاملات کی فہم اور سوجھ بوجھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی، اسی کا نام اراءت ہے۔ آپ کی عدالت میں جو مختلف قسم کے مقدمات اور واقعات پیش ہوتے تھے، آپ ان کے فیصلے، احکام الٰہی کو سامنے رکھ کر اپنے علم ومعرفت، نور بصیرت اور اس سوجھ بوجھ سے فرماتے تھے جو اللہ نے آپ کو عطا فرمائی تھی۔ نزول قرآن کی غرض یہی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے احکام و قوانین کی روشنی میں اللہ کی عطا کردہ فہم وبصیرت سے لوگوں کے درمیان فیصلے کریں۔ اللہ کا ارشاد ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ (۱۰۹)

بے شک ہم نے حق کے ساتھ آپ پر کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس (علم) کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو عطا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ قرآن جو ہم نے آپ پر اتارا ہے وہ سراسر حق ہے۔ اس کی خبریں بھی حق ہیں اور اس کے فرمان بھی حق تاکہ آپ اس علم ومعرفت کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلے کریں، جو اللہ نے آپ کو دیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قضایا اور فیصلے کتب حدیث میں محفوظ ہیں۔ قرآن کے بعد اسلامی قوانین کا یہ دوسرا ماخذ ہے۔ آپ کے فیصلوں کی اطاعت نہ صرف اللہ کے حکم کی اطاعت ہے بل کہ ایمان کی دلیل اور نشانی ہے۔ چناں چہ ارشاد ہے:

۱۰۸۔ النحل ۶۴

۱۰۹۔ النساء ۱۰۵

فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○ (۱۱۰)

آپ کے رب کی قسم! وہ ہرگز مومن نہ ہوں گے جب تک کہ وہ آپس کے جھگڑوں میں آپ کو منصف نہ بنائیں، پھر جو فیصلہ آپ کردیں اس سے کسی طرح اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور اسے خوشی سے قبول کرلیں۔

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کے سامنے بے چون و چرا سرِ تسلیم خم کردینے ہی کا نام اسلام ہے۔ ایمان کی شرط یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی معاملے میں فیصلہ فرمادیں تو اس کو حق جان کر اس پر راضی رہے اور دل میں کوئی تنگی و ناگواری اور شک شبہے کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ آنے پائے۔ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر دل و جان سے راضی نہ ہوگا، اس وقت تک اس کا ایمان کامل نہیں ہوگا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَمَاكَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلاَمُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ط وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَللاً مُّبِيْنًا ○ (۱۱۱)

اور کسی مومن مرد اور عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے بعد اپنے کسی امر کا کو اختیار باقی نہیں رہتا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ صریح گم راہی میں پڑے گا۔

ایمان لانے کے بعد کسی مومن مرد اور عورت کو کسی ایسے امر میں کوئی اختیار نہیں رہتا جس کا فیصلہ اللہ اور اس کا رسول فرمادیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے بعد نہ تو کوئی اس فیصلے کی مخالفت کرسکتا ہے، نہ اس کو ماننے سے انکار کرسکتا ہے اور نہ اس کے بارے میں کسی کو رائے اور قیاس کا حق ہے بل کہ آپ کے فیصلے کو بہ سروچشم قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا واجب ہوجاتا ہے۔ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے بعد ان کی نافرمانی اور حکم عدولی کرے گا اور نفسانی خواہشات کی پیروی کرے گا تو وہ یقیناً حق سے بھٹک کر کھلی گم راہی میں جا پڑے گا۔

۹۔ **دعوت و تبلیغ**: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک دعوت و تبلیغ ہے۔ جس کا قرآن کریم اور احادیث میں ۱۱۲ متعدد مقامات پر بیان ملتا ہے۔

۱۱۰۔ النساء ۶۵

۱۱۱۔ الاحزاب ۳۶

سورۂ مدثر کے نزول کے بعد تین سال تک آپ نے خفیہ طور پر دعوت وتبلیغ فرمائی۔ پھر علانیہ تبلیغ کے لئے یہ آیت نازل ہوئی:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَO (۱۱۲)

آپ کو جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اسے خوب کھول کر بیان کیجئے اور مشرکین کی ذرا پرواہ نہ کیجئے۔

اس آیت کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی علانیہ طور پر تبلیغ اسلام کرنے لگے۔ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَO (۱۱۳)

اور آپ اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈرائیے۔

تو آپ نے اپنے خاندان کے لوگوں کو جمع کر کے انہیں پیغام حق سنایا۔ پھر ایام حج میں لوگوں کو تبلیغ شروع کی۔ فرداً فرداً ہر قبیلے کے پاس جاتے اور انہیں بتاتے کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تم میری تصدیق اور حمایت کرو یہاں تک کہ اللہ کا دین غالب آ جائے اور حق سب پر ظاہر ہو جائے۔ آپ ترغیب و ترہیب کے ذریعے لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ عرب میں مختلف ایام میں مختلف مقامات پر میلے لگتے تھے۔ مثلاً مجنہ، عکاظ، ذوالمجاز وغیرہ۔ آپ ہر سال ان میلوں میں بھی دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ ہجرت مدینہ تک دس سال آپ کا یہی معمول رہا۔

ربیعہ بن عباد دیلی سے روایت ہے، جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! مجھے منیٰ میں مقیم لوگوں کی منازل پر آپ کا جانا یاد ہے۔ اس وقت میں اپنے والد کے ساتھ تھا اور نوجوان لڑکا تھا۔ ایک شخص جو خوب صورت چہرے اور دو چوٹیوں والا بھینگا تھا، آپ ﷺ کے پیچھے تھا۔ پھر آپ کچھ لوگوں کے پاس رکے اور فرمایا:

انا رسول اللہ یا مرکم ان تعبدوہ ولا تشرکوا بہ شیئا

میں اللہ کا رسول ہوں اور تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہراؤ۔

حضرت ربیعہ کہتے ہیں کہ جو شخص آپ کے پیچھے تھا وہ کہہ رہا تھا کہ یہ شخص تمہیں دعوت دے رہا ہے کہ تم اپنے آباؤاجداد کا دین چھوڑ دو اور لات وعزیٰ کی اور مالک بن اقیش جو تمہارے حلیف ہیں ان سے

۱۱۲۔ الحجر:۹۴

۱۱۳۔ الشعرا:۲۱۴

علیٰحدہ ہو جاؤ اور جو بدعت و گمراہی وہ لایا ہے اس کو قبول کرلو۔ ربیعہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ آپ کا چچا ابولہب عبدالعزی بن عبدالمطلب ہے۔ (۱۱۴)

ربیعہ بن دیلی کی دوسری روایت میں ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذوالمجاز کے بازار میں دیکھا، آپ قبائل عرب کو دعوت دے رہے تھے اور فرما رہے تھے:

یایها الناس! قولوا لا اله الا الله تفلحوا

اے لوگو! لا الہ الا اللہ کہو کامیاب ہو جاؤ گے۔

اور ایک شخص آپ کے پیچھے پیچھے یہ کہہ رہا تھا کہ یہ بے دین ہے، جھوٹا ہے (العیاذ باللہ)۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ آپ کا چچا ابولہب ہے۔ (۱۱۵)

تبلیغ

آگے بڑھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس چیز کی وضاحت کرلی جائے، جس کے ذریعے قتل وخوں ریزی اور جبر واکراہ کے بغیر اسلام اس قدر تیزی سے پھیلا، اور وہ چیز ''تبلیغ'' ہے جس کے معنی احکام الٰہی عام لوگوں تک پہنچانے کے ہیں۔ اس کے اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ جس چیز کو ہم اچھا سمجھتے ہیں اس کو دوسرے لوگوں اور دوسری قوموں تک پہنچائیں اور ان کو اس کے قبول کرنے کی دعوت دیں۔

تبلیغ دین ایک ایسا مقدس فریضہ ہے جو ہر نبی کے فرائض منصبی میں داخل تھا۔ اس کا مقصد اللہ کے دین اور احکام کو پھیلانا اور عام کرنا، لوگوں کو اس کا قائل کرنا اور ان کو اس کے قبول کرنے کی دعوت وترغیب دینا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ نبوت کا سلسلہ آپ پر ختم ہوگیا۔ اب قیامت تک نہ کوئی نیا نبی آئے گا اور نہ کوئی نئی شریعت۔ آپ کی شریعت قیامت تک جاری رہے گی، اس لئے آپ کے بعد آپ کی امت کے افراد اس کے پابند ہیں کہ وہ دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیتے رہیں ورنہ وہ اللہ کی تائید ونصرت سے ہی محروم نہ ہوں گے، بل کہ اس کی رحمت وبرکت سے بھی محروم ہو جائیں گے۔

انبیاء علیہم السلام نے دین کی خاطر اور تبلیغ کے لئے بے حد وحساب تکلیفیں برداشت کیں اور بے پناہ مصیبتیں جھیلیں مگر صبر وہمت کے ساتھ دوسروں تک دین پہنچانے میں لگے رہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

۱۱۴۔ احمد: ج ۴، ص ۵۴۸، رقم ۱۵۵۹۷

۱۱۵۔ احمد: ج ۵، ص ۴۵۱، رقم ۱۸۵۲۵، رقم ۱۸۵۲۵، الدارقطنی۔ السنن ج ۳، ص ۴۵

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (۱۱۶)

اس سے بہتر کس کی بات ہے جو (دوسروں کو) اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں۔

پس جس نے لوگوں کو اللہ کی توحید کی طرف بلایا اور اس نے خود بھی نیک کام کئے اور اسلام قبول کیا تو اس سے بہتر کسی کی بات نہیں، اس لئے تبلیغ دین اور دعوت الی الخیر مسلمانوں کے لئے ضروری ہے۔ یہ مقصد علما کی تحریروں اور خطبا کی تقریروں سے بھی حاصل ہوتا ہے، جہاد فی سبیل اللہ سے بھی، صادقین کی صحبت اور صوفیا کی مجالس سے بھی، یعنی ہر وہ طریقہ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دعوت دیتا ہے وہ تبلیغ ہے۔

تبلیغ کی اہمیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت دو طرح کے مذاہب تھے:

۱۔ وہ مذاہب جو اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے تھے جیسے عیسائی اور بدھ مت وغیرہ۔ ان کو ہم عام مفہوم میں تبلیغی مذہب کہہ سکتے ہیں۔ البتہ ان کے بارے میں بھی یہ فیصلہ کرنا ممکن نہیں کہ تبلیغ ان کے مذہب کا اصل حکم تھا یا ان کے پیروکاروں نے اپنی طرف سے اس عمل کو جاری کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نہ تو ان کے صحیفوں میں تبلیغ عام کی ہدایات ملتی ہیں اور نہ ان کے بانیوں کی زندگی میں اس کی عملی مثالیں ملتی ہیں۔ صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے تبلیغ کی اہمیت کو واضح کیا، اپنے صحیفے میں اس کے متعلق کھلے کھلے اور صاف صاف احکام اور اصول بیان کئے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ان احکام اور اصول وضوابط کی عملی مثالیں پیش فرمائیں۔

اس بنا پر اسلام کے سوا جو مذاہب تبلیغی سمجھے جاتے ہیں حقیقت میں وہ تبلیغی اور دعوتی مذاہب نہیں کیوں کہ ان مذاہب سے تعلق رکھنے والے انبیائے کرام یا ان کے مذہبی رہنماؤں نے نہ تو دوسری اقوام کو اپنے دین کی تبلیغ کی اور نہ ان کو مخاطب بنایا اور نہ دوسری اقوام میں اپنے مبلغ بھیجے۔ یہ صرف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں جنھوں نے ایک ایک قبیلے کے پاس جا کر پیغام حق پہنچایا، دوسرے ملکوں میں مبلغ بھیجے، مکے سے مدینے ہجرت کی، پھر مشرکین کے خلاف تلوار اٹھائی تا کہ اسلام کو تبلیغ دین کی پر امن آزادی

۱۱۶۔ حم السجدہ: ۳۳

ملے۔ آخر حدیبیہ کے مقام پر قریش نے مسلمانوں کے اس مطالبے کو تسلیم کیا اور تبلیغ کی آزادی ملی۔ قرآن کریم نے اس صلح کو اسلام کی فتح مبین قرار دیا۔ اس واقعے کے بعد ہی دنیا کے امراو سلاطین کو مبلغین اور دعوت اسلام کے خطوط بھیجے گئے اور عربوں کے علاوہ ایران، حبش اور روم وغیرہ میں اسلام پھیلا۔

۲۔ وہ مذاہب جو اپنے مذہب کی تبلیغ نہیں کرتے تھے جیسے یہودیت، مجوسیت، ہندومت وغیرہ۔ ان کے نزدیک مذہب کو قبول کرنے کا استحقاق سعی و کوشش سے نہیں بل کہ صرف پیدائشی طور پر ہوتا ہے۔ لہٰذا جو لوگ پیدائشی طور پر اس خاص گروہ سے تعلق نہیں رکھتے وہ اس قابل ہی نہیں کہ اس پاک و مقدس مذہب میں داخل ہوں۔ ان میں نسلی برتری کا خیال اس قدر شدید ہے کہ وہ اپنے سوا تمام نسلوں کو ناپاک اور کم تر تصور کرتے ہیں۔ ایسی ناپاک و نجس اور کم تر قوموں تک اپنے پاک و مقدس مذہب کو لے جانا خود اس مذہب کی پاکی و تقدیس کو ٹھیس پہنچانا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تبلیغی اور اصلاحی کوششوں میں بنی اسرائیل کی ثقافت اور روایات کارفرما نظر آتی ہیں۔ مثلاً جب ایک کنعانی یا یونانی عورت نے حضرت مسیح سے برکت چاہی تو انہوں نے فرمایا:

> مجھے بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی اور کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ (۱۱۷)

اور فرمایا:

> مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی (بنی اسرائیل کا مذہب) کتوں (غیر اسلامی قوموں) کو پھینک دیں۔ (۱۱۸)

> غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے شہر میں داخل نہ ہونا بل کہ پہلے بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جاؤ اور چلتے ہوئے منادی کرو۔ (۱۱۹)

> وہ چیز جو پاک ہے کتوں کو مت دو اور اپنے موتی سؤروں کے آگے نہ پھینکو۔ (۱۲۰)

اسی طرح ہندوؤں نے اپنا مذہب تمام قوموں سے چھپا کر رکھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنا پاک و مقدس دھرم ملیچھوں اور اچھوتوں کو سکھا کر اس کو ناپاک نہیں کرنا چاہتے تھے۔ یہود کا بھی یہی خیال تھا کہ نامختون لوگ اس نعمت کے اہل نہیں۔

۱۱۷۔ انجیل متی: باب ۱۵۔ ۲۵

۱۱۸۔ انجیل متی: باب ۲۷

۱۱۹۔ انجیل متی: باب ۱۰۔ ۶

۱۲۰۔ انجیل متی: باب ۷۔ ۶

اگر چہ ان غیر تبلیغی مذاہب میں وسیع درجے کی تبلیغ نہیں ملتی لیکن ان کے ہاں بھی محدود اصلاحی کام ہوتا رہتا ہے۔ اب عیسائیت کی تبلیغ بہت آگے نکل چکی ہے۔ مشنری اداروں کی سرگرمیاں تو عام ہیں۔ ہندومت بھی اب اپنا انداز تبدیل کر رہا ہے، یورپ اور امریکہ وغیرہ میں ان کے تبلیغی مشن کام کر رہے ہیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی تمام قوموں کو برابری کا درجہ دے کر سب کو اللہ کا پیغام پہنچانا ضروری قرار دیا۔ قرآن کریم نے بھی تبلیغ کی اہمیت اور اس کے اصول وضوابط پر مفصل بحث کی ہے۔ قرآن کریم میں تبلیغ کے بارے میں دو طرح کی آیات ہیں:

۱۔ وہ آیات جن میں فریضۂ تبلیغ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

۲۔ وہ آیات جن میں تبلیغ کے کام کی ترتیب بیان کی گئی ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (۱۲۱)

اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم!) جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا وہ لوگوں تک پہنچا دیجئے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کا کچھ بھی پیغام نہ پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ دین کی تاکید کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ پر نازل فرمایا ہے آپ وہ سب بلا جھجک لوگوں کو پہنچا دیں خواہ کوئی اس کو قبول کرے یا اس کی مخالفت کرے۔ اگر بہ فرض محال کسی حکم خداوندی کو امت کو پہنچانے میں آپ سے ادنیٰ سی کوتاہی بھی ہوئی تو فریضۂ تبلیغ و رسالت کا حق ادا نہ ہوگا۔ اسی لئے آپ تمام عمر فریضۂ تبلیغ رسالت میں پوری ہمت وقوت کے ساتھ مصروف رہے۔ چناں چہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے اپنے خطبے میں صحابہ کرام کے عظیم مجمع کو اہم ہدایات اور وصیتیں فرمانے کے بعد سوال فرمایا کہ دیکھو! کیا میں نے تمہیں دین پہنچا دیا؟ صحابہ نے اقرار فرمایا کہ ہاں! آپ نے ہمیں دین پہنچا دیا۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اس پر گواہ رہو اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ اس مجمع میں حاضر ہیں وہ ان لوگوں تک میری بات پہنچا دیں جو اس وقت یہاں موجود نہیں ہیں۔ چناں چہ ارشاد ہے:

الا فلیبلغ الشاهد الغائب فلعل بعض من يبلغه ان يكون اوعىٰ له من بعض من

۱۲۱۔ المائدہ ۶۷

سمعه (۱۲۲)

آ گاہ رہو، جو موجود ہیں وہ اسے ان تک پہنچادیں جو موجود نہیں۔ ہوسکتا ہے جسے وہ پہنچائیں ان میں کوئی ایسا بھی ہو جو یہاں بعض سننے والوں سے زیادہ اس کو محفوظ رکھ سکتا ہو۔

غائبین میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اس وقت دنیا میں موجود تھے مگر اس مجمع میں حاضر نہ تھے اور وہ لوگ بھی شامل ہیں جو ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے اور قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔ ان سب کو دین پہنچانے کا طریقہ علم دین کی نشر و اشاعت بھی ہے، جس کو صحابۂ کرام نے نہایت تن دہی سے انجام دیا۔ ہر بیان ہونے والی آیت کے دوسرے جملے میں آپ ﷺ کو یہ خوش خبری دی گئی ہے کہ تبلیغ رسالت کے سلسلے میں کفار آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے کیوں کہ اللہ تعالیٰ خود آپ کا محافظ ہے۔

ایک روایت میں ہے:

بلغوا عنی ولوا آية (۱۲۳)

مجھ سے (علم) آگے پہنچاؤ اگر چہ وہ ایک آیت ہی ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں:

من حدثك ان محمداصلى الله عليه وسلم كتم شيئا مما انزل عليه فقد كذب والله يقول يايها الرسول بلغ ماانزل اليك (۱۲۴)

جو شخص تجھ سے یہ کہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے کچھ چھپالیا جو ان پر نازل ہوا تو اس نے جھوٹ بولا۔ اللہ کہتا ہے: **یایها الرسول بلغ ماانزل الیك من ربك**

اور ارشاد ہے:

فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ○ (۱۲۵)

پھر اگر تم نہیں مانو گے تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمے تو صرف احکام کھول کر پہنچا دینا ہے۔

اگر تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم نہیں مانو گے تو اس میں نہ تو اللہ کا کوئی نقصان ہے اور نہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا، کیوں کہ رسول کے ذمے تو صرف احکام الٰہی کو صاف صاف اور

۱۲۲۔ بخاری: ج ۳، ص ۱۲۲، رقم ۴۴۰۶

۱۲۳۔ ترمذی: ج ۴، ص ۳۰۵، رقم ۲۶۷۸

۱۲۴۔ بخاری: ج ۳، ص ۱۸۵، رقم ۴۶۱۲

۱۲۵۔ المائدہ: ۹۲

واضح طور پر لوگوں تک پہنچاتا ہے اور یہ کام وہ بہ حسن وخوبی انجام دے چکے، لہٰذا اب اگر کوئی شخص نہیں مانتا تو وہ محض اپنا نقصان کرتا ہے۔ اس کے ماننے یا نہ ماننے سے نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر ومنزلت میں اضافہ ہوتا ہے اور نہ کمی واقع ہوتی ہے۔

خلاصۂ کلام

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کی پیدائش کے ساتھ ہی اس کی ہدایت ورہ نمائی کا انتظام فرمایا ہے۔ جس طرح اللہ نے انسان کے جسم کی غذا کا انتظام کیا ہے اسی طرح اس نے روح کی غذا کا بھی اہتمام کیا ہے۔ چناں چہ جب شیطانی قوتیں غلبہ پا کر انسان کی روحانی ترقی روک دیتی ہیں، حق سے روگردانی اور برائی عام ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ایک نبی کو بھیجتا ہے، جو لوگوں کو حق کی دعوت دیتا اور کفر و نافرمانی سے روکتا ہے۔ نبوت کوئی فن یا ہنر نہیں جس کو اپنی محنت وصلاحیت سے حاصل کیا جا سکے بل کہ یہ منصب محض عطائے ربانی سے حاصل ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی بعثت کے جو مقاصد متعدد مقامات پر بیان فرمائے ہیں ان میں سے اہم یہ ہیں:

۱۔ تلاوت کتاب: عام پڑھنے کو قرأت اور مقدس کتابوں کے پڑھنے کو تلاوت کہتے ہیں۔ نیز کلام الٰہی کے سوا کسی دوسری کتاب کے پڑھنے کو تلاوت نہیں کہا جا سکتا۔ قرآن کریم کے الفاظ بجائے خود مقصود اور عبادت ہیں۔ ان کی تلاوت وحفاظت فرض اور باعث ثوابِ عظیم ہے۔

۲۔ تزکیۂ نفوس: اس کے معنی لوگوں کو ظاہری اور باطنی نجاست سے پاک کرنا ہے۔ جس طرح انسان کو بے شمار جسمانی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں اسی طرح اس کے قلب کے اندر بھی بے شمار بیماریاں پیدا ہوتی ہیں جیسے کفر وشرک، مال کی محبت، عہدے کی محبت، بغض، حسد، کینہ، تکبر، عداوت وغیرہ۔ اسی قلب کی اصلاح کا نام تزکیۂ اور طہارت ہے اور یہ ذکر الٰہی کی کثرت اور موت کی یاد سے حاصل ہوتا ہے۔

۳۔ تعلیم کتاب: قرآن سمجھنے کے لئے محض قرآن کی تلاوت کافی نہیں بل کہ قرآن کا صحیح علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے صرف نظر کر کے از خود قرآن سمجھنے کی کوشش کرے تو اس کی گم راہی کے امکانات روشن ہیں۔

۴۔ تعلیم حکمت: اللہ تعالیٰ کی بے شمار و بے حساب نعمتوں میں سے ایک خاص نعمت حکمت ہے، جس کا اعلیٰ ترین درجہ صرف انبیاء علیہم السلام کو عطا کیا جاتا ہے۔ عقل وفہم کے اس کامل ترین درجے کو حکمت

کہتے ہیں، جس سے صحیح وغلط اور خیر وشر کے درمیان تمیز وفیصلہ، ربانی ذوق ووجدان سے ہوتا ہے۔قرآن کریم میں حکمت سے مراد احکام دین اور شریعت کے اسرار ومقاصد ہیں یعنی آپ لوگوں کو احکام دین کی حکمت اور اس میں مصلحتوں اور فائدوں کے جو پہلو ہیں ان کی تعلیم دیتے ہیں اور اپنی زبان اور عمل سے ان کی تشریح وتفصیل بیان کرتے ہیں۔

۵۔تذکیر: انبیا کی بعثت کا ایک مقصد اللہ کی ربوبیت کے اس ازلی عہد وپیمان کی یاددہانی ہے، جو اللہ نے تمام بنی آدم سے عالم ارواح میں لیا تھا۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ قرآن کے ذریعے ان کو وعظ ونصیحت اور ازلی عہد کی یاددہانی کراتے رہیے۔ان میں سے جن لوگوں کے دلوں میں ایمان کی قبولیت کا مادہ ہے وہ ایک نہ ایک دن راہ راست پر آجائیں گے۔

۶۔انذار وتبشیر: انبیا کے فرائض منصبی میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنی امتوں کو اللہ کے احکام اور اس کے اوامر ونواہی سے آگاہ کریں۔جو لوگ اللہ پر ایمان لائیں اس کے احکام پر عمل کریں، اعمال صالحہ کرتے رہیں اور اور نواہی سے بچتے رہیں، ان کو انعام خداوندی کی بشارت دیں اور جو اللہ کی نافرمانی پر قائم رہیں اور پیغمبر کی بات نہ مانیں، ان کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں۔

۷۔تبیین کتاب: تبیین کے معنی اظہار واعلان اور توضیح وتشریح کے ہیں۔قرآن کی بہت سی آیتوں کی تفسیر و تشریح خود قرآن میں دوسرے مقامات پر موجود ہے۔جن آیتوں کی تفسیر قرآن نے نہیں کی، ان کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریر وعمل کے ذریعے فرمادی جو تواتر سے منقول اور احادیث وسنن کے مستند مجموعوں میں موجود ومحفوظ ہے۔آپ نے جو تفسیر وتشریح فرمائی وہ اپنی طرف سے نہیں بل کہ اللہ کے حکم اور اختیار سے فرمائی۔

۸۔اراءت: اللہ تعالیٰ نے علم ومعرفت، نور بصیرت، معاملات کی فہم اور سوجھ بوجھ جو آپ کو عطا فرمائی اسی کا نام اراءت ہے۔آپ کی عدالت میں جو مختلف قسم کے مخاصمات اور مقدمات پیش ہوتے تھے، آپ ان کے فیصلے احکام الٰہی کو سامنے رکھ کر اپنے علم ومعرفت اور اسی سوجھ بوجھ سے فرماتے تھے جو اللہ نے آپ کو عطا فرمائی تھی۔

۹۔دعوت وتبلیغ: تبلیغ دین ایک ایسا مقدس فریضہ ہے جو ہر نبی کے فرائض منصبی میں داخل تھا۔اس کا مقصد اللہ کے دین اور احکام کو پھیلانا اور عام کرنا، لوگوں کو ان کا قائل کرنے اور ان کو اس کے قبول کرنے کی دعوت وترغیب دینا ہے۔